قلبِ پنہاں
از حمنہ صبور عامر

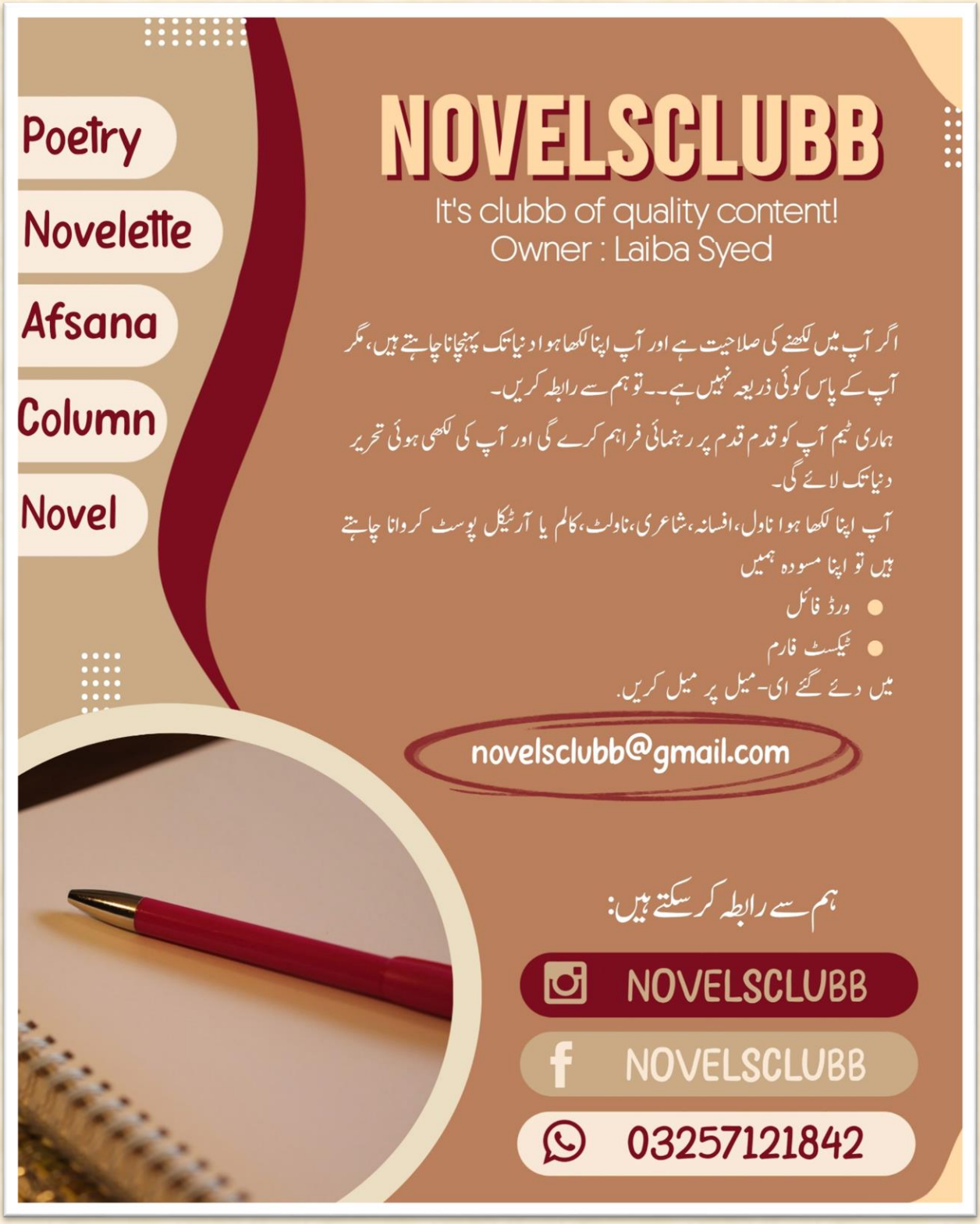
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

قلبِ پنہاں

از قلم

حمنہ صبور عامر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انتساب

"اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہمت کے نام۔۔!"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

قسط نمبر ا

باب اوّل

"سیاہ گلابوں کا گلدستہ"

زندانِ خوف کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر

میں نے دیکھا ہے آباد ہونے کے بعد برباد ہو کر

(حمنہ صبور عامر)

Clubb of Quality Content

وہ جانتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ وقت آئے گا۔ وہ گھڑی جب اس کی اٹھائی گئی ساری مشکلات اور دربدری کے باوجود وہ یہاں ہوگی۔ جو جہد مسلسل اس نے یہاں سے نکلنے کے لئے کی تھی، جو مشقت

کی چکی اس نے فرار کے لیے پیسی تھی، جو تکالیف اس نے خود پر جھیلیں تھیں۔ان کے با وجود وہ اس سب سے بھاگ نہیں پائے گی۔ وہ یہاں لائی جائے گی۔اور وہ وقت آن پہنچا تھا۔وہ وقت جو اس کا انت تھا۔

یہ اس کا انت تھا۔

کمرا اس وقت دہشت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کمرے کی ہوا بوجھل تھی۔اتنی کے سانس لینے میں دشواری ہوتی تھی۔ کمرے میں جھانکو تو دو نفوس دکھائی دیتے تھے۔جو ایک دوسرے کے جتنے قریبی تھے انکے دلوں میں اتنے ہی فاصلے تھے۔اوران فاصلوں کو پاٹنے کی خواہش دونوں کو ہی نہیں تھی۔ نفوس کے درمیان واضح تناؤ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ایک وجود اپنے پورے قد سے کھڑا تھا تو دوسرا زمین پر بیٹھا تھا۔

"تھوڑا سا تو رحم کھائیں۔میں بیٹی ہوں آپکی۔" وہ ٹوٹتے بدن کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے بولی۔وہ جو کب سے خوف زدہ تھی، اس نے ایک بار پھر ان سے فریاد کی تھی۔وہ

اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس لمحے کے وقوع پزیر ہونے سے واقف تھی۔ لیکن پھر بھی اس وقت یہ گھڑیاں اس پر بھاری تھیں۔

"رحم؟ بیٹی؟ ایک بات میری کان کھول کر سن لو۔ اس کا تو پتا نہیں لیکن میں تمہیں نہیں بخشوں گا۔" وہ ناگواری سے اس کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

"میں نے تم پر یقین کر کے غلط کیا۔ تم اس لائق ہی نہیں تھی کہ تمہیں مان بخشا جاتا۔" وہ جلالی انداز میں بولے۔ ان کے لہجے میں ڈھونڈنے سے بھی نرمی نہیں ملتی تھی۔ وہ جیسے اس کو مار دینا چاہتے تھے۔ جو کچھ وہ کر چکی تھی، ان کے خاندان میں ایسی باتوں پر قتل ہو جاتے تھے۔ کوئی انہیں اس کے ساتھ اس طرح بات کرتے دیکھ لیتا تو غصے سے پاگل ہو جاتا۔ مگر غم یہی تھا کہ وہ دیکھنے کے لئے موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنا چہرا گھٹنوں میں چھپا لیا۔ اس میں اس سب کی سکت نہیں تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم جو کچھ کر کے آئی ہو اس کے بعد میں تمہیں جانے دوں گا ،نہیں۔ بلکل نہیں۔ تم مجھے یہاں سے جا کر دکھاؤ۔ میں تمہاری ٹانگیں توڑ کر ہاتھ میں پکڑا دوں گا۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے اور اس سے پہلے کہ وہ وجود کوئی حرکت کرتا یا مزید کچھ بولتا، وہ اس کمرے سے نکل گئے۔ جاتے وقت وہ کمرے کو لاک کرنا نہیں بھولے تھے۔

اب اس کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ سوئی گرنے کی بھی آواز آئے۔ کمرے میں نظر دوڑائی جائے تو وہ ایک وسیع کمرا تھا۔ کمرے کی دیواریں بھوری تھیں۔ کمرے کی چار دیواروں میں سے ایک دیوار پر کھڑکی تھی۔ جس پر لٹکے ہلکے بھورے پردے زمین کو چھو رہے تھے۔ کمرے کی دوسری دیوار کے ساتھ ایک سٹڈی ٹیبل اور رولنگ چیئر پڑی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر کتابوں کا انبار تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں ایک صوفہ بھی تھا۔ جس پر ایک کالا بیگ پڑا تھا۔ شولڈر بیگ۔

دیواروں پر کئی فریمز لٹکائے گئے تھے۔ان فریمز کی تصاویر میں موجود چہرا مسکرا رہا تھا۔ ہر تصویر اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی کہ وہ چہرا مسکرانے کے لئے ہی بنا تھا۔ تصاویر میں اس کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ تھے۔واضح پتا چلتا تھا کہ کمرے کا مکین زندگی سے بھرپور وجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کو دیکھ کر یہ گمان نہیں ہوتا تھا۔ کمرے کی تیسری دیوار کے ساتھ بیڈ لگا ہوا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگائے وہ وجود زمین پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں اوپر کر کے سینے سے لگا رکھی تھیں اور بازو گھٹنوں کے اوپر لپیٹ رکھے تھے۔ چہرا گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔ وہ وجود خاموش تھا۔ساکت۔ جیسے کبھی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ کافی دیر وہ وجود اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ وقت بیتتا رہا۔ لمحے گزرتے رہے۔ رات ڈھلتی رہی۔

معاً اس وجود میں حرکت ہوئی۔اس نے چہرا گھٹنوں پر سے اٹھایا تھا۔اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔ چہرا سپاٹ تھا۔ آنکھیں بھی خشک تھیں۔ یوں جیسے وہ ابھی کچھ دیر پہلے ان کے سامنے رحم کی اپیل کرتے ہوئے روئی ہی نا ہو۔ اس کے لب کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ جیسے وہ

کوئی ورد کر رہی ہو۔ وہ ایک ہی جملہ بار بار دہرا رہی تھی۔ دور سے اس کے الفاظ سنائی نہ دیتے تھے۔ قریب جا کر سنو تو الفاظ سمجھ آتے تھے۔

"میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔ مجھے آپ روک نہیں سکتے۔ میں اب اکیلی نہیں ہوں۔"

"میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

اور عورت جب نزاکت چھوڑ کر مضبوطی تھام لے تو اس جیسا پتھر کوئی نہیں۔

وہ ایک روشن صبح تھی۔عام دنوں کے مقابلے میں آج حبس کم تھا۔ویسے تو اسلام آباد کی آب و ہوا خوشگوار ہی ہے لیکن آج صبح ہونے والی بارش نے مطلع کو صاف کر دیا تھا۔ ہلکے ہلکے بادل آسمان پر پھیلے تھے ۔ دھوپ کا نام و نشان تک نہیں تھا ۔ سڑکیں بھی گیلی تھیں ۔ مختصراً ایسا موسم تھا جو کہ اعصاب پر نہایت پر سکون تاثر ڈالتا تھا۔ آج ہرا بھرا اسلام آباد مزید سرسبز ہو گیا تھا۔

شہر اسلام آباد ایسا شہر ہے جو پورے پاکستان کے لوگوں کے دلوں میں بستا ہے۔اسلام آباد ، پاکستان کا دارالحکومت، ایک منظم اور خوبصورت شہر جو خوبصورت پہاڑوں اور سرسبز وادیوں میں گھرا ہوا ہے. اسلام اباد شہر "اسلام کا شہر" یا "امن کا شہر" کے نام سے مشہور ہے اور اسے دنیا کے خوبصورت ترین دارالحکومتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ اسلام آباد ایسا شہر ہے جو زندہ دل لوگوں کے مزاج کو بھاتا ہے۔ بد ذوق افراد اسلام آباد کو بورنگ کہتے ہیں۔ لیکن یہ بورنگ نہیں فیسی نیٹنگ شہر ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس وقت ہم اسلام آباد کے ایک پوش ایریا کا رخ کریں تو یہاں واقع کافی سوسائیٹز میں سے ایک خوبصورت سوسائیٹی میں "خضر منزل" اپنے پورے قد سے کھڑی تھی۔ چھوٹی مگر خوبصورت۔ ایک کنال پر موجود وہ گھر اپنی مثال آپ تھا۔ جو چیز اس گھر کو باقی گھروں سے مشترک بناتی تھی وہ بوگن ویلیا کی وہ بیلیں تھیں جو پورے گھر سے لپٹی تھیں۔ گھر کے بیرونی دروازے کے ارد گرد کی باڑ پر، گھر کے اوپری حصے کے تین کمروں کی بالکنی سے نیچے لٹکتیں،اور گھر کے داخلی دروازے کی دیوار پر گلابی بوگن ویلیا کی لمبی لمبی بیلیں یوں اگائی گئی تھیں کہ سفید دیوار بلکل چھپ گئی تھی۔ گھر کے بیرونی دروازے سے اندر آئیں تو چھوٹا سر سبز لان تھا جس کے درمیان گزرنے کے لیے روش بنائی گئی تھی۔ دیواروں کے ساتھ مختلف اقسام اور لمبائی کے گملے رکھے گئے تھے جن کے کچھ رنگین پھول گھاس پر بکھرے تھے۔ لان کی ایک کونے میں شیڈ تلے لکڑی کا ایک پرانا مگر مضبوط لکڑی کا جھولہ تھا جس کی چمک آج بھی برقرار تھی۔ لگتا تھا کہ اس جھولے کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔

خضر منزل کا داخلی دروازہ بھی پھولوں سے مزین تھا جہاں بیلوں کو ایک خاص ترتیب سے یوں اگایا گیا تھا کہ دروازے کے دائیں بائیں ساری دیوار پر بوگن ویلیا کی بیلیں تھیں۔ اور لکڑی کا بڑا سا داخلی دروازہ درمیان میں تھا۔ دروازے کے اوپر ایک خوبصورت نقش و نگار والی ہینگنگ لٹکائی گئی تھی جس پر "ہمارا گھر" لکھا تھا۔ بلاشبہ یہ گھر سجانے والا نہایت قابل و ہنر مند تھا۔

گھر کے اندر داخل ہونے پر سب سے پہلے ایک کھلا اور وسیع لاؤنج ایریا تھا۔ پورے گھر میں سفید چمکتی فلور رنگ ہو رکھی تھی۔ دیواریں بیج (Beige) رنگ میں رنگی تھیں۔ لاؤنج کے وسط میں ایل شیپ صوفے تھے۔ جن کے درمیان سفید ماربل کا ٹیبل تھا۔ لاؤنج کی دیواروں میں سے ایک گلاس وال تھی۔ جس پر لٹکائے گئے سفید پردے چھت سے لے کر زمین کو چھوتے تھے۔ اور اس وقت ہٹے ہوئے تھے۔ باہر سے لان کا منظر واضح ہوتا تھا۔ اس لاؤنج کا پہلا تاثر نہایت راحت آمیز تھا۔ پورے لاؤنج میں اس وقت بیج کے سوا کوئی رنگ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سوائے اس ایک گلدستے کے جو ماربل کے ٹیبل پر رکھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سیاہ گلابوں کا گلدستہ۔

لاؤنج اوپن کچن کے ساتھ جڑا ہوا تھا جس کا انٹیریئر بھی لاؤنج کی ہی طرح بیج تھا۔ لاؤنج کے ساتھ ہی دو کمرے تھے۔ ایک بیڈ روم تھا اور دوسرا اسٹوڈیو روم۔ جس کے اندر سے اس وقت ایک وجود باہر نکل رہا تھا۔

اس وجود کے پاؤں ہیل میں قید تھے۔ سفید پنسل ہیل جس کے سٹریپ پر پیچھے کی طرف ایک سفید بوء(Bow) لگی تھی۔ یہ ہیل اس کے سفید پیروں میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کی لانگ شرٹ پہن رکھی تھی جس کے ساتھ گلابی ہی کھلا ٹراؤزر تھا۔ شرٹ پر سفید دھاگے کی کڑھائی کے چھوٹے چھوٹے پھول تھے۔ اور گلے پر بین تھا۔ اس کی گردن میں انگریزی حرف آر(R) کا ایک پینڈنٹ تھا۔ بلکل چھوٹا سا R انیشیئل۔ اس کی پتلی سی گردن میں یہ باریک سا پینڈنٹ فوراً توجہ کھینچتا تھا۔ کانوں میں سفید موتی تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں سفید چھوٹا سا نفیس برکن(Birkin) بیگ پکڑ رکھا تھا۔

اور دوسرے ہاتھ میں کئی لمبے لمبے چارٹس تھے۔ وہ مصروف سی چلتی ہوئی سٹوڈیو سے باہر لاؤنج میں آ گئی۔

"زری آپا! ماما کی میڈیسنز لے آئیں۔ ان کو دوا دے کر میں چلی جاؤں گی۔" وہ جلدی جلدی چلتی ہوئے صوفہ تک آئی اور ہاتھ میں پکڑے چارٹس اور پھر بیگ ٹیبل پر رکھا۔

"میں اعظم انکل کو کہوں گی وہ ماما کو پارک لے جائیں گے۔ آپ ان کے ساتھ جائیے گا اور ماما کے ساتھ کم سے کم تیس منٹ واک ضرور کرنی ہے۔ آپ کو پتا ہے ورنہ وہ نہیں کریں گی۔" وہ زری آپا کو ہدایت دیتے دیتے مڑی تو لاؤنج کے ایک کونے میں پڑے کونسول ٹیبل کے اوپر لگے آئینے میں اس کا چہرا واضح ہوا۔

اس کا چہرا صاف اور خوبصورت تھا۔ کھلتی رنگت اور معصوم نقوش۔ چہرے پر کوئی داغ نہیں تھا۔ چھوٹی ناک اور بھرے بھرے دلکش ہونٹ جن پر اس وقت گلوس لگا تھا۔ آنکھیں گہری بھوری تھیں۔ اس کی آنکھوں کی شکل بادام جیسی تھی۔ جن کو آج کی زبان میں آمنڈ آئیز (Almond Eyes) کہا جاتا ہے۔ گھنی دراز پلکیں اس کی آنکھوں کی خوبصورتی کو

چار چاند لگاتی تھیں۔ واقعی اس کے آنکھیں اس لائق تھیں کہ ان پر شعراء شعر کہتے۔ حسن اس قابل تھا کہ اس کو دیکھ کر نظر ہٹانے کا دل نہ کرے۔ چہرا یوں بری طرح متاثر کرتا تھا کہ انسان حواس کھو بیٹھے۔ آخر کون تھی وہ؟اس قدر خوبصورت چہرا کہ دل میں کھب جائے مگر اتنا سنجیدہ کہ حوصلے پست ہو جائیں۔

وہ رائنا تھی۔رائناوارث۔ملک کے کامیاب انٹیریئر ڈیزائنرز میں سے ایک ۔بلوم انٹیریئرز(Bloom Interiors)کی مالکن۔ خضر منزل کی ساری سجاوٹ اور اندرونی و بیرونی خوبصورتی اس کے مرہون منت تھی۔اسی لئے جب کوئی اسکے گھر کو دیکھتا تھا تو کافی دیر اس کے سحر سے نہیں نکل پاتا تھا۔بلکہ وہ جس گھر کا بھی انٹیریئر کرتی تھی اس کو جنت ہی بنا کر چھوڑتی تھی۔ کیونکہ یہ وہ کام تھا جس کو وہ بہت دل وجان سے کرتی تھی۔

اس کی شخصیت کا سب سے خوبصورت پہلو اس کے بال تھے۔ کالے اور لمبے گھنگھریالے بال جو اس کی کمر تک آتے تھے۔ اس کے ایسے گھنگھریالے بال تھے جن کو خصوصی طور پر سٹائل کیا جاتا ہے تو وہ اپنی اصل شکل اختیار کرتے ہیں ورنہ وہ بے ترتیب سے رہتے ہیں۔

اس نے اپنے بالوں کو بہت دھیان اور خیال سے سنبھال کر رکھا تھا۔اس کے بال اس کے چہیتے تھے۔ گھنگھریالے بالوں والی عام لڑکیوں کی طرح وہ ان سے تنگ نہیں تھی۔وہ اپنے بالوں کو بہت پیار سے سنوارتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کے بابا کو بہت پسند تھے۔اس نے اس وقت بالوں کی درمیانی مانگ نکال رکھی تھی اور آدھے بال پیچھے کر کے کیچر لگا رکھا تھا۔دو گھنگھریالی لٹیں گال پر بکھری تھیں۔

"میں نے ان کو دوا دے دی ہے۔تم جاؤ،میں ان کے ساتھ واک پر بھی چلی جاؤں گی۔ لیکن تم جلدی آجانا،رات کو۔۔۔"زری آپا اس کے پاس آتے ہوئے بولیں اور پھر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگیں۔

"منزہ آنٹی کو سرپرائز دیں گے ان کی سالگرہ پر۔"

"اوہ! تو یہ پلاننگ کر رہی ہیں آپ! ٹھیک ہے پھر۔میں جلدی آجاؤں گی۔"وہ مسکراتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔اپنوں کے لئے وہ یوں ہی مسکرا دیتی تھی۔اور اپنی ماما کی یہ سالگرہ اس نے ضرور منانی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپا! اعظم انکل سے کہہ دیں گاڑی نکال لیں۔ میں آرہی ہوں!" اس نے واپس ٹیبل کی طرف مڑتے ہوئے کہا تو زری آپا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چلی گئیں۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹنے کے لئے جھکی تو پہلی بار اس کی نظر ٹیبل پر پڑے سیاہ گلابوں کے بوکے پر پڑی۔ وہ حیرت زدہ چہرے کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بوکے کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔ سیاہ گلابوں کے اس بوکے نے بری طرح اس کی توجہ کھینچی تھی۔ وہ ہمیشہ سے سفید رنگ کی دیوانی تھی لیکن آج ان سیاہ گلابوں کو دیکھ کر اس کو سفید گلابوں کی دلکشی پر شبہ ہوا۔ وہ گلاب حیران کن حد تک حسین تھے۔ وہ ان کو سونگھ کر ہلکا سا مسکرائی۔ لیکن ایک منٹ؟ وہ یہاں کیا کر رہے تھے؟

Clubb of Quality Content

اس کے سفید لاؤنج میں یہ سیاہ گلاب اجنبی تھے۔ وہ زری آپا سے اس کے بارے میں پوچھنے کے لئے اٹھتی کہ اس کی نظر اس انویلپ پر پڑی جو بوکے کے ساتھ ٹیبل پر پڑا تھا۔ اس نے بوکے رکھ کر اس انویلپ کو اٹھالیا۔ اس پر کوئی پتا نہیں درج تھا۔ وہ صفا چٹ کاغذ تھا۔ اس نے انویلپ کو کھولا تو اندر ایک کارڈ تھا۔ سیاہ رنگ کا کارڈ جس پر سفید پین سے لکھا گیا تھا۔

“You are all I ever crave for.”

کارڈ پر لکھے گئے الفاظ پڑھ کر وہ ششدر رہ گئی۔ایک اجنبی گلدستہ، جس پر کوئی پتہ نہیں درج تھا اور اس کے اندر اس قسم کے کارڈ نے اس کو حیران کر دیا تھا۔یہ کس کی جرأت تھی کہ اس کے گھر میں اس طرح اس کو ہراساں کرنے کی کوشش کی۔وہ سمجھ نہیں پائی کہ اس قدر چھوٹے سوشل سرکل کے باوجود کون یوں پر اسرار انداز میں اس کی زندگی میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اور وہ بھی یوں اس طرح کا کارڈ بھیج کر۔اس کے ماتھے پر بل آ گئے۔وہ انہیں کسی کلائنٹ کی طرف سے بھیجے گئے پھول سمجھ رہی تھی۔ کیوں کہ ایسا عام طور پر ہوتا رہتا تھا کہ کام ختم ہو جانے کے بعد کلائنٹ شکریہ کے طور پر اس کو پھول دیتے تھے۔ لیکن وہ ایسا بے ہودہ اظہار تشکر نہیں ہوتا تھا۔اس کو ایک دم سے شدید غصہ آیا۔اس نے کارڈ کو مٹھی میں دبوچا اور مڑوڑ کر سائیڈ پر پھینک دیا۔پھر بوکے کو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اٹھی اور اس کو ایک کونے میں پڑی ڈسٹ بن کی نظر کر دیا۔ایک دم سے اس کا چہرا سپاٹ ہوا تھا۔اس نے بہت مشکل سے اس وقت اپنے غصے کو قابو کیا تھا

کیوں کے اس نے آفس جانا تھا،اور آج کا دن وہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس نے تیزی سے اپنا بیگ اور چارٹس اٹھائے اور داخلی دروازے سے باہر نکل گئی۔ لاؤنج میں صرف اس کی ہیل کی ٹک ٹک کی باز گشت رہ گئی۔اور سیاہ گلاب ڈسٹ بن میں پڑے اپنی بے قدری پر ماتم کناں تھے۔

صبح کو ہونے والی بارش کے پیشِ نظر اسلام آباد کی گیلی سڑکیں اب خشک ہو چکی تھیں۔بارش کے بعد آسمان، سڑکیں اور پیڑ پودے نکھر سے گئے تھے۔ماحول سے ایک کثافت سی اتر گئی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے سے جھانکنے لگا تھا۔ صبح کے گیارہ بج چکے تھے اور مخلوقِ خدا رزق کی تلاش میں گھروں سے نکل چکی تھی۔ شاہراہوں پر موجود ٹریفک میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔اسلام آباد کی ایسی ہی ایک مصروف شاہراہ پر اس وقت گاڑیاں رکی ہوئی تھیں۔ سگنل بند تھا۔شاہراہ کے گرد بنے فٹ پاتھ پر لوگ آجا رہے تھے۔ ہر کوئی زندگی

کے سفر پر نکلا ہوا تھا۔ سگنل پر کھڑی گاڑیوں میں ایک سفید مرسڈیز بینز (Mercedes Benz) بھی تھی جو اس وقت بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز تھی۔ وجہ اس گاڑی کی چمک تھی۔ لگتا تھا اس کو آج پہلی مرتبہ استعمال کیا جا رہا تھا۔ صاف شفاف ٹائیرز اور چمچماتی سطح۔ لوگوں کا اس گاڑی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا بنتا تھا۔

دفعتاً سگنل کھلا تھا اور گاڑیاں آگے بڑھنے لگی تھیں۔ ٹریفک اب آہستہ آہستہ چھٹنے لگا تھا۔ سفید مرسڈیز بھی اب چلنے لگی۔ مرسڈیز کے پیچھے ایک سیاہ ٹویوٹا ہائلیکس (Toyota Hilux) بھی تھی جس پر وردی میں ملبوس گارڈز سوار تھے۔ وہ دونوں گاڑیاں اب سگنل سے گزر کر کافی آگے آ گئی تھیں۔ گاڑیاں سڑک پر رواں دواں رہیں، سفر گزرتا رہا اور پھر یکدم وہ گاڑیاں ایک ساتھ ایک لمبی اور اونچی عمارت کے آگے رک گئیں۔ وہ عمارت جس کے ماتھے پر بڑا اور شاندار سا آر ایم آر کیٹیکٹس (RM Architects) کا لوگو آویزاں تھا۔ سیاہ رنگ کا یہ لوگو اس سفید عمارت پر گہری چھاپ چھوڑتا تھا۔ عمارت کو نگاہ اٹھا کر دیکھو تو سب سے پہلے اسی پر نظر پڑتی تھی۔ عمارت مکمل سفید رنگ کی تھی اور اس کا زیادہ تر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حصہ گلاس والز نے گھیر رکھا تھا۔ بڑی بڑی گلاس والز اس عمارت کے اندرونی حصے کو ظاہر کرتی تھیں جہاں اس وقت لوگوں کی ریل پیل تھی۔

مرسڈیز کا اگلا دروازہ کھلا اور ڈرائیور پھرتی سے باہر نکلا۔ جلدی سے پچھلا دروازہ کھولا اور سائیڈ پر ہو گیا۔ مسلح گارڈز اپنی گاڑی سے اتر آئے اور اس گاڑی کے پیچھے چوکنا انداز میں کھڑے ہو گئے۔

گاڑی کے کھلے دروازے سے چمکدار سیاہ بوٹ میں قید پاؤں باہر نکلے اور پھر وہ شخص جو اس وقت گہرے نیلے رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ گاڑی سے نکل کر سیدھا کھڑا ہوا تو اس کا سراپا واضح ہوا۔ بھرپور جسامت اور چوڑے شانوں کا مالک وہ شخص اپنے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے دائیں طرف مڑا تو سورج کی کرنیں اس کے چہرے پر پڑیں۔ اس کی صاف رنگت پر سجی بڑی بڑی آنکھیں سیاہ تھیں۔ مکمل ٹوٹ سیاہ آنکھیں۔ لمبی گھنی پلکوں نے آنکھوں کی کشش کو چھپا رکھا تھا۔ مگر وہ ان کی چمک کو نہیں چھپا پائی تھیں۔ وہ سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اس کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔ بالوں کو احتیاط سے سمیٹ

کر اوپر کیا گیا تھا۔ کھڑی ناک اس وقت سکڑی ہوئی تھی۔ لب ہلکے سے وا تھے۔ وہ ایک دلفریب پرسنالٹی کا مالک تھا۔ خوبصورت اور پر وقار۔ ایسا مرد جس کو راہ چلتے لوگ مڑ کر ضرور دیکھتے تھے۔ مگر وہ اس بات سے کافی بے نیاز تھا۔

بائیاں ہاتھ، جسکی کلائی میں رچرڈ مل (Richard Mille) کی مہنگی گھڑی تھی، اٹھا کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو اپنے پاس بلایا۔ ڈرائیور تیزی سے اس تک پہنچا۔

"میں اپنے لئے دروازے خود کھولنے کا عادی ہوں۔ آج کے بعد تم یہ غلطی دوبارہ نہیں کرو گے۔" اس نے ڈرائیور کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

ڈرائیور خجالت سے سرخ چہرا لیتے پیچھے ہو گیا۔ وہ چلتے ہوئے اپنے کوٹ کو کلائی سے کھینچ کر آگے کرتا کف لنکس ٹھیک کرتا ہوا عمارت کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ گیا اور پھر عمارت میں داخل ہو گیا۔ گارڈز اور ڈرائیور عمارت کے باہر کھڑے رہ گئے۔

اس کے عمارت میں داخل ہونے پر بھی ہر طرف معمول کی چہل پہل تھی۔ وہ اپنے سٹاف کو ہر طرح سے پر سکون ماحول مہیا کرتا تھا۔ اس لئے اس نے غیر ضروری احترام سے سب

کو منع کر رکھا تھا۔ پھر بھی ہر کوئی اپنے اپنے کام کی طرف بڑھتے ہوئے اس کو سلام یا گڈ مارننگ کہہ رہا تھا جس کا جواب وہ سر کی جنبش سے دے رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے سپیشل لفٹ کے پاس رکا اور بٹن پریس کیا۔ یہ لفٹ صرف ان دونوں بھائیوں کے لئے مختص تھی یا پھر ان کے پر خصوص کاروباری مہمانوں کے لئے یہ استعمال ہوتی تھی۔ لفٹ کھلی تو وہ اس میں سوار ہو گیا۔

مطلوبہ فلور پر لفٹ کھلتے ہی اس نے قدم اپنے آفس کی بجائے محب کے آفس کی طرف بڑھائے اور اندر داخل ہو گیا۔ آفس مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ گلاس وال پر پردے گرے تھے جنہوں نے سورج کی روشنی کو اندر آنے سے روکے رکھا تھا۔ اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلاتے ہوئے قدم بڑھا کر گلاس وال سے پردے ہٹائے اور پھر اس وجود تک پہنچا جو صوفہ پر ٹانگیں لمبی کئے سویا ہوا تھا۔ بازو سینے پر بندھے ہوئے تھے اور گھنے بھورے بال ماتھے پر بے ترتیب سے گرے تھے۔ لمبی پلکوں کی جھالڑ سے مزین آنکھیں بند تھیں۔ وہ غالباً گہری نیند میں تھا۔ پیروں میں ابھی بھی جوتے پہن رکھے تھے۔ روشنی سے

بھی اسکی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ نیند کے معاملے میں کتنا معصوم تھا اور ایک وہ خود تھا جو ہلکی سے ہلکی آہٹ پر جاگ جاتا تھا۔

اس نے صوفہ کے پاس رکھے ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا جو اس وقت سکون سے آنکھیں موندے سویا ہوا تھا۔ اسے بے اختیار اس پر پیار آیا اور ساتھ ترس بھی۔ وہ سرد مزاج مرد اپنے بھائی کے لئے ٹھنڈی چھاؤں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکے کندھے کو ہلایا۔

"محب!" اس نے آہستگی سے اس کو پکارا۔

"محب ویک اپ۔ صبح ہو گئی ہے۔ تمہیں گھر جانا ہے۔" اس نے ایک بار پھر اس کا کندھا ہلایا تو وہ مندی مندی آنکھیں کھولتا اس کو دیکھنے لگا۔

"گڈ مارننگ!" اسکو آنکھیں کھولتے دیکھ وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اٹھ کر آفس ٹیبل پر آ گیا۔ وہاں پڑی فائلز پر سرسری نگاہ ڈال کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو اب اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اپنی شرٹ کے بلوں کو ہاتھوں سے درست کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح خود کو تھکاؤ گے تو میں تمہارا یہاں آنا بند کر دوں گا۔" وہ اس کی فکر میں اس کو دھمکی دینے لگا۔

"ایک ہفتہ ہوا ہے مجھے یہاں آتے ہوئے ابھی۔ اور آپ مجھے نکالنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ناٹ فیئر!" وہ مصنوعی ناراضگی سے کہتے ہوئے کھڑا ہوا اور انگڑائی لی۔ گہری نیند سے اٹھنے کی وجہ سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ آنکھیں بھی کچھ سرخ تھیں۔

"اس طرح اوور ورک کرو گے تو میں تمہیں ایسے ہی دھمکی دوں گا۔ کل رات تم نے مجھے کال کر کے آفس میں رکنے کا کہا تو میں نے تمہیں منع کیا تھا اور فوراً گھر آنے کو کہا لیکن تم نے مجھے کال کرنے کے بعد فون ہی آف کر دیا تھا۔ تاکہ میں تمہیں دوبارہ کال کر کے گھر آنے کو نہ کہہ سکوں۔ واز دیٹ فیئر؟" اسکی بات پر وہ واقعی غصے میں آ کر اس کو اس کے کارنامے سنانے لگا۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے! پہلی اور آخری بار رکا تھا۔ آئندہ نہیں رکوں گا۔" محب اس کی بات پر ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا اور اپنا کوٹ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"اب کدھر جا رہے ہو؟" اس کو باہر نکلتے دیکھ وہ بول پڑا۔

"وہیں جہاں سے آپ آ رہے ہیں، یعنی مکان!" وہ اس کو ایک اداس مسکان پاس کرتا دروازہ پار کر گیا۔ محب کا اپنے گھر کو "مکان" کہنا اس کا دل چیر گیا تھا لیکن وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا ۔وہ گھر میں نہیں مکان میں رہتے تھے جہاں قہقہے نہیں خاموشیاں گونجتی تھیں۔ جہاں صرف وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے ہمراہ رہتے تھے۔ اماں بابا کی وفات کے بعد جب خالہ امی ان کو اپنے ساتھ نوروے (Norway) لے گئی تھیں تو ان کا یہ گھر ملازموں کے حوالے ہو گیا تھا۔ اور ایک سال پہلے جب وہ واپس پاکستان آئے تھے تو یہ گھر دوبارہ کھلا تھا۔ لیکن آباد آج بھی نہیں تھا۔

وہ تلخ سوچوں کو جھٹکتا محب کے آفس سے نکلا اور اس کے سامنے والے گلاس کیبن آفس میں داخل ہو گیا۔ جس کے شیشے کے دروازے پر لگی نیم پلیٹ پر اس کا نام واضح تھا۔

راحب حسین بیگ۔

سی ای او۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آرایم آر کیٹیکٹس۔

یہ اسلام آباد کے ایک میڈیکل کالج کے کھلے اور وسیع گراؤنڈ کا منظر ہے۔ گھاس سے مزین گراؤنڈ پر اس وقت طلباء کی کئی لمبی لمبی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کی الگ الگ قطاریں تھیں۔ دس بارہ لمبی قطاروں نے پورے گراؤنڈ کو گھیر رکھا تھا۔ گراؤنڈ کی سرحدی دیواروں کے ساتھ ایک لائن میں ترتیب سے ٹیبل اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں جن پر اس وقت کالج کا عملہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں پر ایم بی بی ایس کے فرسٹ ایئر کے طلباء کو ان کے کالج کے شناختی کارڈ دیے جا رہے تھے۔ آج اس کالج میں فرسٹ ایئر کے طلباء کا پہلا دن تھا۔ اتنی محنت اور جدوجہد کے بعد آخر کار وہ اپنی منزل پر پہنچے تھے۔ آج کا دن ان کی زندگیوں کے اہم دنوں میں سے ایک تھا۔

کالج بہت بڑے حدود اربع پر واقع تھا۔ کالج کے کافی بڑے حصے پر گراؤنڈ تھا اور اس گراؤنڈ کے ارد گرد چلنے کے لئے روش بنی ہوئی تھی۔ گراؤنڈ درمیان میں تھا اور اس کے چاروں اطراف میں کالج کی عمارت تھی۔ سرخ اینٹوں سے بنی یہ عمارت کئی منزلوں پر مشتمل تھی۔ کھلے آسمان سے جھانکتے سورج کی تیز روشنی کھلے میدان میں پڑ رہی تھی۔ طلباء اپنے ہاتھوں کو ماتھے پر رکھے دھوپ کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

انہیں طلباء میں ایک وہ بھی تھی۔ جو اپنا کالج کارڈ لینے کے بعد گراؤنڈ کی حدود کے باہر موجود سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ یہ سیڑھیاں کالج کے پہلے فلور تک جاتی تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک کتاب اور اپنا کالج کارڈ پکڑ رکھا تھا۔ وہ کوئی انگلش کتاب تھی جو وہ پڑھ رہی تھی۔ کتاب پر اس کا عنوان لکھا تھا۔

The Courage To Be Disliked

اس نے اپنی کتاب رکھ کر کالج کارڈ کی طرف دیکھا جس پر اس کا نام درج تھا۔

ماحور آدم۔

نام کے ساتھ ساتھ اس کی باقی تفصیلات بھی درج تھیں۔ کارڈ پر ایک طرف اس کی چھوٹی سی تصویر بھی تھی۔ ظہر کی اذان ہونے لگی تو اس نے اپنے کندھے پر رکھا دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا اور کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔ اس بات سے بے نیاز کہ کوئی اس کے اس عمل کا مزاق اڑا رہا تھا۔

"اوّل تو ان لڑکیوں نے دوپٹہ لینا نہیں ہوتا اور اگر لے بھی لیں تو اس کو گلے میں پٹے کی طرح ڈال کر آجاتی ہیں۔" دور کھڑے لڑکوں کے گروہ میں سے ایک لڑکا نہایت ناگواری سے بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جیسے اس کے اس عمل سے اس کی غیرت پر حرف آیا ہو۔

"کس کی بات کر رہے ہو عادل؟" وہ چار پانچ لڑکوں کا ایک گروہ تھا جو آپس میں کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک دوسرا لڑکا بولا تو اس نے دور سیڑھیوں پر بیٹھی ماحور کی طرف اشارہ کیا۔ ان لڑکوں نے فوراً گردن موڑ کر ماحور کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے اپنی کتاب میں مگن تھی۔

"مگر اس نے تو دوپٹہ لے رکھا ہے۔ تم اس کو دیکھ کر ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟" انہوں نے اس لڑکی کو دوپٹہ لئے دیکھا تو عادل کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کیسے لوگ تھے وہ؟ ایک غیر محرم اجنبی لڑکی پر تبصرے کر رہے تھے۔

"ہنہہ! لیا نہیں ہے اس نے۔ ابھی اذان شروع ہوئی تو میڈم نے سر پر اوڑھ لیا۔ اب اگر گھر سے ایسے نکل ہی آئی تھی تو اذان پر بھی دوپٹہ لینے کی کیا ضرورت تھی۔ بس، پارسائی کے ڈرامے ہوتے ہیں ان لڑکیوں کے!" عادل نے نفرت سے اس سے نظر ہٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ مرد بن کر حکم دو گے ان عورتوں کو، تو نا لے کر دکھائیں ذرا دوپٹہ۔" اس کے ساتھیوں میں سے ایک تنتناتے ہوئے بولا تو احمر اس کی بات کی نفی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"نہیں، عورت چاہے خود کی نمائش کرنے والی ہو یا سات پردوں میں چھپ کر رہنے والی۔ مرد کو اپنی طرف مائل کر ہی لیتی ہے۔ جیسے یہ محترمہ کر رہی ہے۔" احمر نے اپنے دوست

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ سب بھی اس کی بات پر خباثت سے مسکرانے لگے۔

وہ پانچوں لڑکے اس بات سے ناواقف تھے کہ ان کے پیچھے کھڑا ایک وجود ان کی ان بے بنیاد گھٹیا باتوں کو سن رہا تھا۔ اور اس نے بدقت خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ مگر احمر کی اس آخری بات پر پیچھے کھڑے شخص کا بڑی تیزی سے پارہ ہائی ہوا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو اسے مارنے سے روکا تھا۔ ورنہ اس کی بات پر شاید وہ اس کا جبڑا توڑ سکتا تھا۔ اس نے ہلکی سی گردن موڑ کر سیڑھیوں پر بیٹھی ماحور کو دیکھا اور فوراً نظریں پھیر لیں۔ وہ اس لڑکی پر ایسی نازیبہ باتیں کر رہے تھے جو اس وقت آرام سے اپنی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔

"عادل تم نے آج تک جس پر بھی نظر رکھی ہے وہ کوئی عام صورت نہیں ہوتی۔ اور آج بھی تم نے ہیرے پر نگاہ ڈالی ہے۔" ان میں سے کوئی بولا تو عادل فخر سے شانے اچکاتے رہ گیا۔ ابھی کچھ منٹ پہلے وہ جس لڑکی پر اپنا گھٹیا تبصرہ پیش کر رہا تھا اور اب اسی لڑکی کے چہرے کو

دوپٹہ کے پیچھے سے گھور رہا تھا۔ وہی لڑکی جو محض اذان کے وقت دوپٹہ لینے پر اس کو بے حیا لگی تھی۔ اب وہی اس کو خوبصورت لگ رہی تھی۔

آنکھوں کے تاثرات کے اس قدر تیز بدلاؤ نے اس شخص کو مٹھیاں بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ بازوؤں کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔ وہ لڑکیوں کو ایسے ڈسکس کر رہے تھے جیسے کوئی بھیڑ بکریوں کو کرتا ہو۔ صنف نازک کی اس قدر بے حرمتی پر اس کو شدید رنج ہوا۔

"ان لڑکیوں کو مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے سارے طریقے آتے ہیں۔ ویسے ایسی لڑکیاں۔۔۔۔" اس سے پہلے عادل اپنا جملہ مکمل کرتا، اس نے چہرا اٹھایا، گردن موڑی اور ہاتھ کاٹتا ہوا مکا عادل کے جبڑے پر دے مارا۔ ضبط کا دامن چھوٹا تھا تو وہ خود پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔ ان کی اس گفتگو نے اس کے اندر کے جلال کو باہر آنے پر مجبور کیا تھا۔

"ایسی لڑکیاں کیا؟ ہاں؟ خود کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ ایک عورت پر نظر رکھ کے، اس پر غلیظ کمنٹ پاس کر کے تم نے کونسا تمغۂ حسن کارکردگی جیت لیا ہے؟ ارے گٹر کے کیڑوں سے بھی گھٹیا اوقات ہے تمہاری۔ عورت کو میوزیم میں رکھا کوئی مجسمہ سمجھ

رکھا ہے کہ دیکھ کر کوئی بھی کمنٹ پاس کر دیا؟ تم جیسے مردوں نے عورت کو غیر محفوظ کر رکھا ہے۔ میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا اگر تم نے دوبارہ کسی لڑکی پر فقرے کسے۔" اس نے عادل کا گریبان جکڑا تھا اور اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ عادل اس سے اپنا گریبان چھڑوانے کے کوشش کر رہا تھا لیکن وہ لہو رنگ آنکھوں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ ماتھے کی رگیں پھول گئی تھیں اور پسینہ اس کی کنپٹی سے بہہ رہا تھا۔ ہاتھ مضبوطی سے عادل کے گریبان کو تھامے ہوئے تھے۔

باقی لڑکے عادل کو اس سے چھڑوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کو چھوڑا تو وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ ان کی اس ہاتھا پائی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو گئی تھی۔ اور وہاں ایک جھرمٹ سا بننے لگا تھا۔

ماحور جو سیڑھیوں سے اٹھ کر اوپر والے فلور پر جانے لگی تھی، دوسری سیڑھیوں کے پاس اس ہجوم کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔ اس نے اس طرف سے گزر کر پہلے ریسپشن پر جانا تھا لیکن اس ہجوم کی وجہ سے وہاں سے گزرنا مشکل تھا۔ سیڑھیوں کے ساتھ لگے ستون پر ہاتھ

رکھے وہ ایڑھیاں اٹھائے اس طرف دیکھنے لگی جہاں کچھ لڑکے آس پاس کھڑے تھے۔ دور سے دیکھنے پر بھی ماحول میں کشیدگی واضح دکھائی دیتی تھی۔ البتہ آوازیں یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

"اے! ہو کون تم؟ اور تمہاری بہن پر فقرے کس رہے ہیں جو تمہارے دل میں درد اٹھ رہے ہیں؟ سنکی آدمی!" عادل اپنا گریبان درست کرتے ہوئے پھنکارا۔ اس آدمی نے بلاوجہ اس کو مکا جڑ دیا تھا۔ اس کے جبڑے میں سخت درد ہو رہا تھا۔

"میں جو بھی ہوں لیکن تم جیسوں کو میں اچھے سے جانتا ہوں۔ عادل رمیز! تمہارا آج اس کالج میں پہلا دن ہے لیکن اس کو آخری دن میں بدلنا میرے لئے مشکل نہیں ہے۔ تمہارے والد کو تمہارے کرتوت بتا کر اس کالج سے باہر کروادوں گا۔ وائس چانسلر رمیز انجم صاحب پہلے ہی تمہاری شکایتوں سے عاجز تھے اور یہ میڈیکل کالج میں داخلہ تمہاری آخری وارننگ تھی۔ تم اس لائق نہ تھے کہ یہاں پر قدم بھی رکھ سکتے لیکن انہوں نے تمہارا ایڈمیشن صرف اس شرط پر کروایا تھا کہ تم ان کو ایڈمیشن فی کا ایک ایک روپیہ واپس کرو گے۔ سوچو! اصول

کے نہایت پکے انسان، کالج کے وائس چانسلر اور تمہارے باپ کو جب پتا چلے گا کہ ان کا ناکارہ سپوت کالج میں آ کر پڑھنے کی بجائے لڑکیوں کو ہراس کر رہا ہے تو جو وہ تمہارے ساتھ کریں گے وہ مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے تمہارے حق میں بہتر ہے کہ آئندہ اس کالج کی کسی بھی لڑکی کو دیکھنے تو کیا، سوچنے سے بھی پرہیز کرنا۔" اس نے بہت عام سے انداز میں اس کا بھانڈا پھوڑا تھا۔ جیسے اس کو کوئی کہانی سنا رہا ہو۔ اس کے منہ سے نکلے یہ الفاظ سن کر عادل کے دوست تو کیا وہ خود ساکت تھا۔ وہ کوئی کہانی نہیں اس کی حقیقت تھی۔ یہ کون تھا جو یوں اس کے دوستوں کے سامنے اس کا راز فاش کر رہا تھا؟

"میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو! یہ سب بکواس ہے۔" اپنا آپ ننگا ہوتے دیکھ وہ صدمے سے باہر نکلا اور اس پر چڑھ دوڑا۔

"کیا جھوٹ ہے؟ یہ کہ تم ایک مہنگی شرط کے بدلے یہاں آئے ہو یا یہ کہ رمیز انجم تمہارا باپ ہے؟ ذرا تفصیل سے بتاؤ کیا کہہ رہے ہو۔" اس نے تضحیک سے اس کو سنایا تو غصے کے

مارے عادل کے کان سرخ ہو گئے۔ اس کے دوست بتیسی باہر نکالے ہنسنے لگے تو وہ ان کو گھور کر رہ گیا۔

"تت۔۔ تم! میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا!" عادل اس کی طرف بڑھتے ہوئے چیخا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کو روک دیا ۔

"آج میں اپنی فطرت کے خلاف ایک کام کر چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے جبڑے کا ساتھ ساتھ تمہارا ناک بھی توڑ دوں اور کام کی تعداد ایک سے دو ہو جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ کالج کا پہلا دن ہے، مزید خراب مت کرو اور اپنے ٹولے کو لے کر غائب ہو جاؤ۔" اس نے عادل کو سرد انداز میں آگے بڑھنے سے روکا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی رک گیا۔ کیا پتا وہ واقعی ایک آدھ اور جڑ دے۔

"مجھے امید ہے تم دوبارہ اس قسم کی حرکتوں سے باز رہو گے۔ ورنہ سبق سکھانا مجھے آتا ہے۔ خدا حافظ!" وہ اس کے کندھے سے نادیدہ گرد صاف کرتے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا اور ایک نظر اس ہجوم پر ڈالتے ہوئے مڑ گیا۔

"ہنہہ! آیا بڑا، مسٹر فیمینسٹ!" اس نے ناک چڑھا کر اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے اس کو لقب سے نوازا۔

جبکہ واپس پلٹنے پر اس شخص کی نظر دوسری طرف کی سیڑھیوں کے ستون کے ساتھ کھڑی ماحور آدم پر پڑی۔ اسی وقت ماحور نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ مسٹر فیمینسٹ کی آنکھیں مس دوپٹہ کی آنکھوں سے ملیں۔ اور اس کو دیکھ کر وہ یکدم رک گیا۔ بے اختیار وہ اس کو دیکھے گیا جواب اس کی طرف متوجہ تھی۔ ماحور نے پلکیں جھپکیں تو وہ ہجوم والا شخص اس کی طرف چہرا کئے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ اس کا وہم تھا؟ اس شخص کی شہد رنگ آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں میں گڑھ گئیں۔ وہ آنکھیں جیسے کچھ بولتی تھیں۔ کچھ ایسا جو اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کو یکدم گھبراہٹ ہوئی۔ اس نے نظریں جھکا دیں اور دوپٹے کو سر سے آگے کرتے ہوئے اس کی طرف پیٹھ موڑ دی۔

ماحور نے آنکھیں جھکائیں تو جیسے کوئی طلسم ٹوٹا تھا۔ جب وہ چہرا موڑ گئی تو وہ بھی خاموشی سے اپنا چہرا جھکائے چل پڑا۔ہاں مگر اب اس کے قدموں میں کچھ ٹھہراؤ تھا جیسے وہ یہ منظر چھوڑ کر جانا نہ چاہتا ہو۔

اگر دور سے اس کی طرف دیکھو تو چلتے ہوئے اس شخص کا حلیہ واضح ہوتا تھا۔ لمبا قد اور چوڑی جسامت۔ اس کی ہائیٹ کم سے کم 6'1 تو ہوگی۔ اس نے نیوی بلیو ڈاکٹر سکربز (Scrubs) کے اوپر سفید لیب کوٹ پہن رکھا تھا۔ بائیں ہاتھ کی کلائی میں ایپل کی ڈیجیٹل واچ تھی۔ پیروں میں سیاہ سکیچرز (Sketchers) تھے۔ اس کا رنگ صاف تھا۔ واضح جا لائن اور چہرے پر ہلکی داڑھی تھی جو اس کی پرسنالٹی پر بہت سوٹ کرتی تھی۔ جب وہ ہنستا تھا تو دونوں گالوں پر ڈمپل پرتے تھے۔ آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ مگر الگ بات تھی کہ وہ صرف ایک مسکراہٹ سے زیادہ تر کام چلاتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس وقت بھی وہ مسکرا کر اپنے پاس سے گزرتے طلباء کو سلام کا جواب دے رہا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ کالج میں خاصا مشہور تھا۔ اس کے لیب کوٹ کے سینے والی پاکٹ پر نظر ڈالی جائے تو وہاں پر ایک نیم بیج لگا تھا۔ جس پر اس کا نام لکھا تھا۔

صالح خان۔

ففتھ ایئر۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بلوم انٹیریئرز کی عمارت اسلام آباد کی ایک مصروف مرکزی شاہراہ پر واقع تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کی تین منزلیں تھیں۔ عمارت کے باہر پارکنگ کی جگہ تھی اور مین گیٹ سے اندر داخل ہونے پر عمارت کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ عمارت کے ڈیزائین میں لکڑی اور گھاس کا استعمال کیا گیا تھا۔ماڈرن ووڈن ورک کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عمارت کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مصنوعی گھاس سے عمارت کو سجایا گیا تھا جو

مختلف جگہوں پر عمارت کی بیرونی دیواروں پر لگی تھی۔ بھوری لکڑی اور گھاس کے امتزاج نے بلوم انٹیریئرز کی عمارت کو ایک ماڈرن آفس کی شکل دے دی تھی۔ اس عمارت کی مالکن کو آخر پیڑ پودوں سے کیا آبسیشن تھی؟

عمارت کی چھت پر بلوم انٹیریئرز کا لوگو لگا ہوا تھا جو اس وقت چمک رہا تھا۔ وہ ایل ای ڈی لوگو تھا۔ داخلی دروازے کی طرف جاتی روش پر قدم رکھیں تو آگے چل کر تین سیڑھیاں تھیں جو عمارت کے اندر لے جاتی تھیں۔ دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوں تو باہر کی گرمی کے برعکس اندر اے سی نے ماحول کو پرسکون کر رکھا تھا۔ لیکن اس وقت اس عمارت کو جو مالکن تھی وہ خود پرسکون دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک درمیانے قد کی لڑکی کے سامنے کھڑی جھنجھلاہٹ سے بول رہی تھی۔

"زیبا! آپ نے بلنڈر کیا ہے اور ماننے کو تیار بھی نہیں ہیں۔ کلائنٹ نے اگر سرمئی رنگ کا صوفہ سیٹ منتخب کیا تھا تو آپ ان کے گھر میں آف وائٹ صوفہ کیوں سیٹ کر کے آئی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہیں؟ کیا آپ کلائنٹ پریولج سے ناواقف ہیں؟"وہ جھنجھلا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کو بول رہی تھی جو اس وقت ہاتھ آپس میں مسلتے شرمندہ سی کھڑی تھی۔

"میم لیکن وہ تھیم کے ساتھ۔۔۔۔۔"

"میں کچھ نہیں جانتی زیبا۔ تھیم آف وائٹ ہو یا سرمئی، کلائنٹ کو اگر سرمئی صوفہ چاہیئے تو آپ سرمئی صوفہ کے آپشنز ہی ان کو دکھائیں گی۔ اذ دیٹ کلیئر؟"وہ اب کہ رعب سے بول کر اس کو دیکھنے لگی تھی جو اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"یس میم! میں ابھی ان سے کانٹیکٹ کرتی ہوں کہ آپ پریشان نہ ہوں، صوفہ سیٹ بدل دیں گے۔ اور ان سے معزرت بھی کر لوں گی۔"اس نے فوراً اپنی غلطی درست کرنے کی ہامی بھری۔

"جی! اور میں چاہتی ہوں کی آپ خود ان کے گھر جا کر انہیں صوفہ آپشنز دکھائیں گی اور جو بھی ان کی منشا ہو اس کو سیلیکٹ کریں گی۔ اوکے؟"اس نے پختہ انداز میں کہا تو زیبا سر ہلاتے

ہوئے چلی گئی۔ رائنا اس سے رخ موڑ کر اپنے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ اسکی سفید ہیلز نے ٹائلز پر مدھم سی آواز پیدا کی۔

"حریم کدھر ہیں؟" آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی آفس ٹیبل پر رکھا انٹر کام اٹھا کر استفسار کیا۔ اپنی ریسیپشنسٹ سے اپنی سیکرٹری پلس پی اے پلس دوست کے بارے میں پوچھا تو آگے سے ملنے والے جواب کو سن کر اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کیا مطلب وہ ابھی نہیں آئیں؟ اٹس ون ان دا آفٹر نون۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا لیکن آگے سے لاعلمی کے اظہار پر کھڑاک سے فون رکھ دیا۔ ایک تو آج کا دن ہی خراب تھا۔ صبح صبح وہ پھول، پھر زیبا کی لاپرواہی اور اب حریم کی غیر موجودگی۔ اف!

اس کے سارے دن کی میٹنگز، کلائنٹ ڈیٹیلز، ایڈریسز، لے آؤٹس، سب کا ڈیٹا اس کے پاس تھا اور اس وقت وہ غائب تھی۔ اس سے ڈیٹیلز لیے بغیر وہ اپنے کام کا آغاز نہیں کر سکتی تھی۔ اسنے سر کو جھکا کر گہرے گہرے سانس لئے اور خود کو پر سکون کیا۔ گھنگھریالے بالوں کی

لٹوں کو ہاتھ سے چہرے سے پیچھے کیا اور آفس ٹیبل تک آئی۔ بیگ سے اپنا فون نکالا اور حریم کو کال کی۔ چھٹی بیل پر آخر کار دوسری طرف سے فون اٹھالیا گیا تھا۔

حریم! کدھر ہو تم؟ میں یہاں آفس میں ہوں تو میری پی اے کہاں گھوم رہی ہے؟ تمہیں ذرا سا بھی احساس ہے کہ میرے کتنے کام پینڈنگ پر ہیں تمہاری وجہ سے۔ ایک تو میں تمہاری اس لیٹ آنے کی عادت سے بہت تنگ ہوں۔ یہ آخری بار ہے۔ آئندہ اگر تم گیارہ بجے تک آفس میں موجود نہ ہوئیں تو میری طرف سے خود کو فارغ سمجھنا۔ اب بول کیوں نہیں رہی؟ ہاں؟" اس کے فون اٹھاتے ہی وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔ ایک تو وہ اس لیٹ لطیف سیکرٹری سے نہایت عاجز تھی۔ اگر دوست نہ ہوتی تو اب تک فائرڈ ہوتی۔ ہنہہ!

"بس بس رائنا! بریک پر پاؤں رکھو۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں گھر سے نکل چکی ہوں بس پندرہ منٹ میں تمہارے پاس ہونگی۔" وہ ہشاش بشاش لہجے میں بولی تو اس کی بے نیازی نے اس کو تپا دیا۔

"تم اب گھر سے نکلی ہو؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ میں تمہیں آخری بار کہہ رہی ہوں، میرا صبر مت آزمایا کرو اور صبح جلدی اٹھا کرو۔ اب پہنچو جلدی!" اس نے غصے سے فون کاٹ کر ٹیبل پر پھینکا اور اپنے چیئر پر بیٹھ گئی۔ اس حریم نے ایک دن واقعی ٹرمینیٹ ہو جانا تھا۔ صدا کی لیٹ عورت ہمیشہ اسکو لیٹ کرواتی تھی۔ اس نے پاور چیئر سے ٹیک لگا کر چند گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو پر سکون کرنا چاہا۔

اور پھر واقعی وہ پندرہ منٹ میں اس کے سامنے موجود تھی۔ گول چہرے اور سیدھے بالوں والی وہ لڑکی حریم اسلم تھی جس کے سیدھے بال اس کے کندھوں تک آتے تھے۔ آنکھوں پر سٹائلش طرز کا نظر کا چشمہ تھا۔ قد مناسب تھا۔ وہ چلتے ہوئے اس کے آفس ٹیبل کے سامنے پڑی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی اور ساتھ والی کرسی پر ہاتھ میں پکڑا چارٹ رکھا۔ اب وہ اس کی طرف متوجہ تھی۔

"چائے یا کافی؟" رائنا نے طنز کرتے ہوئے اس کو آفر کی تو حریم صاحبہ فوراً بتیسی نکالے بولیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چائے! کڑوی کافی تمہیں ہی مبارک ہو! اور اب زیادہ آگ بگولا ہونے کے ضرورت نہیں ہے۔ میں صبح سے گھر میں بیٹھ کر پول ایریا کا لے آؤٹ بنا رہی تھی اسی کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ میں آج اس کو مکمل کر کے تم سے چیک کروانا چاہتی تھی۔" اس نے فوراً ساتھ لائے چارٹ کو اس کے سامنے ٹیبل پر کھولا تو وہ دونوں کرسی سے اٹھ کر ٹیبل پر جھک گئیں۔ اس سے پہلے وہ چائے اور کافی کا آرڈر دینا نہیں بھولی تھیں۔

"یہ دیکھو۔ کیسا ہے اچھی ارینجمنٹ کی ہے نا؟" رائنا کے دیکھنے کے بعد وہ اس سے رائے لینے لگی تو رائنا نے سر ہلا کر اس کو داد دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پرفیکٹ! یہ مسٹر داؤد کے پراجیکٹ کا آخری پارٹ ہے۔ اس کے بعد ہمارا ان کے ساتھ کانٹریکٹ ختم ہو جائے گا۔" اس نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ساتھ اس سے پوچھا۔

"ہاں! مگر اب ایک نیا پراجیکٹ ہے جس نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ معلوم ہے کس نے؟" حریم نے دلچسپ انداز میں کہا تو اس نے کافی پیتے بھنویں اچکائیں۔

"آر ایم آر کیٹیگیکٹس! کیا تم یقین کر سکتی ہو؟ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔ میں تو بہت خوش ہوں!" حریم پر جوش انداز میں تالیاں مارتے ہوئے خوشی سے بولی تو وہ بھی اس کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"میں نے ابھی آفر ایکسیپٹ بھی نہیں کی اور تم ناچنے پہلے ہی لگیں؟" وہ اس کو تنگ کرتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"ہنہہ! تمہیں پوچھ کون رہا ہے؟ میں یہ آفر پہلے ہی ایکسیپٹ کر چکی ہوں۔" اس نے اس کے سر پر بم پھوڑتے ہوئے کہا۔ رائنا صدمے سے منہ کھولے اس کو دیکھنے لگی۔

"تم نے میرے پراجیکٹ کی منظوری کا فیصلہ میرے سے پوچھے بغیر ہی کر لیا؟" اس نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے دونوں مرتبہ 'میرے' پر زور دیتے ہوئے کہا۔ یہ لڑکی اس سے ایک آدھ تھپڑ کھانا چاہتی تھی۔

"ہاں! کیونکہ تم نے مختلف حیلے بہانے گھڑ لینے تھے۔ ابھی آلریڈی بہت کلائنٹس کے ساتھ کانٹریکٹ ہے، ابھی میں بہت مصروف ہوں۔ آج کل گھر پر ٹائم نہیں دے پا رہی وغیرہ

وغیرہ۔ اس لئے اس سب بحث سے بچتے ہوئے، سمجھداری کا مظاہرہ کرتی ہوئے میں نے آفر قبول کرلی!" وہ ہاتھ نچا نچا کر اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی اور پھر آخر میں اس کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔

"مگر تم مجھ سے کال پر ایک بار پوچھ سکتی تھی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے اس سے کہا۔

"کر لیتی، لیکن رات کے بارہ بج رہے تھے اور یہ میرا اور کنگ ٹائم نہیں ہے۔ وہ سکن کیئر ٹائم ہے۔ اس وقت صرف میں اور میرے سکن کیئر پراڈکٹس ہوتے ہیں ساتھ ساتھ۔" حریم نے فلمی انداز میں بولتے ہوئے آنکھیں بند کیں تو اس کی بات پر اس نے آنکھیں گھمائیں۔

ایک تو یہ حریم اور اس کی سکن کیئر! اف!

"تو اب یہ بھی بتا دیں کہ ان کے ساتھ میٹنگ کب فکس کی ہے آپ نے؟" اس نے گہرا سانس لے کر بل آخر ہار مانتے ہوئے اس سے دریافت کیا تو وہ آنکھیں کھولتے ہوئے جھٹ سے بولی۔

”ارے! چلو چلو! تم بھی نا، باتوں میں لگا دیا۔ دو بجے میٹنگ ہے آر ایم آر کیٹیکٹس کے ساتھ۔ چلو فوراً اٹھو۔“

وہ اپنی چیزیں جلدی جلدی ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اٹھی تو رائنا بھی اپنا بیگ ہاتھ میں پکڑ کر اٹھ گئی۔ مگر اس کو ایک گھوری سے نوازنا نہیں بھولی تھی جو اب جلدی جلدی اپنی چائے ختم کر رہی تھی۔

”خود جب بولنا شروع کرتی ہے تو چپ ہونے کا نام نہیں لیتی اور مجھے کہہ رہی ہے کہ باتوں میں لگا دیا۔ واہ حریم میڈم!“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

”کیا بڑبڑا رہی ہو۔ ہمت ہے تو منہ سے بولو لڑکی!“ اس کے باہر نکلتے ہی وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے باہر نکلی۔

آرایم آر کیٹیکٹس کی پر شکوہ عمارت میں آئیں تو نچلے فلورز پر معمول کی چہل پہل تھی۔ کہیں کوئی یکسوئی سے اپنا کام کرنے میں مگن تھا تو کہیں افراد کیفے میں کھڑے گفتگو میں مشغول تھے۔ یہ بھی ہفتے کا ایک عام کاروباری دن تھا۔

آرایم آر کیٹیکٹس کی عمارت کے چوتھے فلور پر راحب حسین بیگ کا مین آفس تھا جہاں وہ اس وقت اپنی پاور چیئر پر بیٹھا تھا۔ آنکھیں لیپ ٹاپ کی سکرین پر مرکوز تھیں۔ ایک ہاتھ کی بورڈ پر تھا تو دوسرا مٹھی بنا کر ہونٹوں پر رکھا تھا۔ آنکھیں پر تشویش انداز میں سکرین پر جمی تھیں۔ وہ مکمل طور پر کام میں مگن تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

معاً ایک خیال آنے پر اس نے اپنے دائیں ہاتھ پر پڑے انٹر کام پر ایک نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا اور گویا ہوا۔

"عمار کو میرے آفس میں بھیجیں۔" اس نے دو ٹوک انداز میں حکم دیا اور انٹر کام رکھ کر واپس سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ منٹ بعد دروازے پر ہونے والی دستک پر اس نے 'کم ان' کہتے ہوئے چہرا اوپر اٹھایا۔ عمار دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ فائلز تھیں جن کو اس نے لا کر ٹیبل پر رکھا تھا۔

"سر یہ فائلز ہیں جن میں مینوفیکچرز کی ساری ڈیٹیلز ہیں۔ آپ ایک مرتبہ دیکھ لیں پھر کسی ایک مینوفیکچرنگ کمپنی کے ساتھ ہم معاہدہ کر لیں گے۔" اس نے نہایت پروفیشنل انداز میں ساری بات اس کے گوش گزار کی۔

"ٹھیک ہے، میں یہ دیکھ لوں گا۔ میں نے تمہیں ایک اور کام کی ذمہ داری دی تھی۔ وہ ہو گیا؟" اس نے کرسی کا ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ آنکھیں اب عمار پر جمی تھیں۔

"جی، وہ کام بھی ہو گیا ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا تو راحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے اس معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں چاہیے۔ آنکھیں کھلی اور قدم بے آواز رکھنا۔" وہ اپنی چیئر سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا اور آفس کے ایک کونے میں پڑی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کافی ٹیبل کارنر تھا۔ ایک ٹیبل جس پر کافی مشین پڑی تھی اور اسکے ساتھ ہی بائیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

طرف ایک چھوٹی فریج تھی۔ایک لکڑی کے ٹو ٹائر(Two Tier)سٹینڈ پر کافی میں ڈالے جانے والے سیرپ پڑے تھے۔ دیوار پر دو شیلف لگے تھے جن پر چار کافی مگز پڑے تھے۔ راحب نے کافی مشین میں کافی گراؤنڈ پوڈ کو ڈال کر اسے آن کر دیا اور شیلف سے ایک مگ اتار کر مشین کے کپ سٹینڈ پر رکھا۔جب کافی آہستہ آہستہ کپ میں گرنا شروع ہو گئی تو اس نے فریج سے دودھ کی بوتل نکالی اور دودھ کو کافی مگ میں انڈیلا اور فرصت سے عمار کی طرف مڑا۔اس کی آنکھیں اپنی بات کی تصدیق مانگتی تھیں۔

"جی سر!ایسا ہی ہو گا۔"اس کے مڑنے پر عمار نے اس کو دیکھ کر عزم سے تصدیق کی۔وہ سر ہلاتے ہوئے دوبارہ کافی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اور اوپر والے فلورز کے انٹیریئر کے سلسلے میں کسی سے رابطہ کیا؟"اس نے سرسری لہجے میں پوچھا تو عمار گھڑی دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"سر!دو بجے بلوم انٹیریئرز کے ساتھ میٹنگ ہے۔ایک انٹیریئر ڈیزائننگ کمپنی ہے جو اسلام آباد میں کافی مقبول ہے۔ سی ای او فی میل ہیں۔ بہت قابل اور ہنر مند۔ان کے ساتھ

میٹنگ میں آپ انٹیریئر کے معاملے میں اپنی ترجیحات ان کو بتائیے گا۔ وہ آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔"عمار پر جوش انداز میں اس کو بتا رہا تھا جواب کافی مشین سے کپ اٹھائے ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اس میں وینیلا سیرپ کے کچھ چمچ ڈالے اور مکس کرنے کے بعد کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ پرفیکٹ!

وہ مگ اٹھائے واپس اپنی ٹیبل تک آیا۔ لیپ ٹاپ کی سکرین گرائی، گرم گرم تازہ کافی کا ایک سپ لیا اور عمار تک پہنچا۔

"اوکے! ٹھیک ہے لیٹس گو۔ دو بج گئے ہیں۔"وہ مگ اٹھائے ہی آفس کے داخلی دروازے تک گیا اور باہر نکل گیا۔ عمار بھی اس کی تقلید میں باہر نکلا۔

ان دونوں کے قدموں کا رخ میٹنگ روم کی طرف تھا جو اسی فلور کے دوسرے کونے میں واقع تھا۔ گلاس ڈور اور گلاس وال والے مکمل ٹرانسپیرنٹ میٹنگ روم کے اندر سے دو خواتین دکھائی دیتی تھیں جن کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ وہ سامنے ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ پر جھکی ہوئی تھیں اور ہلکی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ آواز باہر نہیں آتی تھی۔ دونوں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میں سے ایک خاتون نے سفید ہیلز پہن رکھی تھیں اور دوسری والی سے قدرے لمبی تھی۔

راحب مگ پکڑے داخلی دروازہ دھکیلتے ہوئے روم میں داخل ہوا تو سارے کمرے میں کافی کی مہک پھیل گئی۔ بھینی بھینی سی کافی کی مہک نے کمرے میں بسیرا کیا تو رائنا نے سر اٹھایا۔ کافی کی مہک نے ایک دم اس کے اعصاب کو تر و تازہ کر دیا تھا۔ اس نے دھیرے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گھنگھریالے بال بھی اس کے مڑنے پر ہلے تھی۔ یہ کافی کی مہک کہاں سے آ رہی تھی؟ اس نے رخ موڑ کر پیچھے دیکھا تو دو افراد کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ رائنا کی نظر دو قدم آگے موجود شخص پر گئی۔

ٹھیک اسی لمحے راحب نے کافی کا گھونٹ لیا۔ راحب کو بھی اس خاتون کا ترچھا رخ دیکھائی دیا تھا۔ اس کی گردن میں پہنا پینڈنٹ روشنی پڑنے پر چمک اٹھا۔

کمرے میں داخل ہونے والے دو مردوں کو دیکھ کر وہ دونوں ہی سیدھی ہو گئیں۔ حریم نے لیپ ٹاپ کی سکرین گرا دی اور رائنا سیدھی ہوتے ہوئے مدھم سا مسکرائی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اسلام علیکم! رائنا وارث، سی ای او بلوم انٹیریئرز!" رائنا نے پروفیشنل انداز میں اپنا تعارف کروایا تو راحب سر ہلا کر سلام کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھا۔ مڑ کر اس کے سامنے آیا اور مگ ٹیبل پر رکھا۔ عمار اس کی تقلید میں چلا۔

"راحب حسین بیگ! سی ای او آرایم آر کیٹیکٹس۔ ہمارے آفس میں خوش آمدید۔ پلیز بیٹھیے۔" اس نے نہایت احترام سے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئیں تو راحب بھی اپنی چیئر گھسیٹتے ہوئے بیٹھ گیا۔ عمار اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اپنا کافی مگ ٹیبل پر رکھ کر راحب نے انٹر کام اٹھا کر ان کے لیے کافی کا آرڈر دیا تو حریم کا منہ بن گیا۔ حریم کا منہ بنتے دیکھ کر رائنا نے مسکراہٹ دبائی۔ حریم اور اس کی کافی سے نفرت!

"میں امید کرتا ہوں میں نے زیادہ انتظار نہیں کروایا ہو گا۔" راحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا تو حریم بول اٹھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس پندرہ منٹ لیٹ ہیں آپ۔" حریم نے معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ مبہم سا مسکرایا۔

"معزرت خواہ ہوں۔"اس نے مختصراً معزرت کی۔

"آپ کی ٹیم نے ہم سے انٹیریئر کے لیے رابطہ کیا تھا۔ میں اس ایریا کو دیکھنا چاہوں گی جہاں پر انٹیریئر کرنا ہو گا۔ جگہ کو دیکھ کر ہی میں آپ کو کچھ آئیڈیاز دے سکتی ہوں۔"رائنا نے راحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے چہرا اس کی طرف موڑا۔ آنکھیں خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگیں۔

"ہماری بلڈنگ کے چھٹے فلور پر اس وقت کچھ کنسٹرکشن ہو رہی ہے اور وہی ہمارا ایریا ہے۔ ہم نے اس پورے فلور کو میٹنگ روم میں بدلنا ہے۔ اور مجھے نہایت سادہ اور پر سکون ماحول کی ضرورت ہے۔ اس کا مکمل اختیار میں آپ کو دیتا ہوں۔ آپ اپنی کارکردگی سے اس کو میری منشا کے مطابق بنا دیں۔"وہ ٹھہر کر بولا اور اپنے پیچھے کھڑے عمار سے ایک چھوٹے سائز کا بلڈنگ میپ لیا اور اس پر ہاتھ رکھ کر ان کو سمجھانے لگا۔ حریم اپنے لیپ ٹاپ پر سارے پوائنٹس نوٹ کرتی جا رہی تھی۔

"یہ دیکھیے! یہاں سے لے کر یہاں تک چھٹا فلور ہے اور اس کے ساتھ بالکنی بھی ہے۔ میں اس بالکنی کو ختم کروانا چاہتا ہوں تاکہ جگہ مزید پھیل جائے۔ یہ پانچواں فلور ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پانچویں فلور پر ایک کیفیٹیریا کی بھی رینوویشن شروع ہے۔ اس کا بھی انٹیریئر آپ کے سپرد ہے۔ مجھے اس کیفیٹیریا کے ساتھ ہی ایک کونے میں ریڈنگ ایریا بنانا ہے۔ وہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ جگہ کو کس طرح مینیج کریں گی۔" وہ میپ پر انگلی یہاں سے وہاں گھماتے ہوئے انہیں سمجھا رہا تھا۔

"اس کے علاوہ بات کی جائے انٹیریئر فلورنگ، کلرنگ، سیلنگ، فرنیچر کی تو ان تمام چیزوں کا اختیار میں آپ کو دیتا ہوں۔ آپ جو چاہیں کر سکتی ہیں۔" وہ ان کو تمام ضروری باتیں بتا کر کرسی سے ٹیک لگا گیا۔ بازو سینے پر باندھ لیے۔ اب وہ ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔

"میں آپ کی تمام باتیں سمجھ چکی ہوں مسٹر راحب۔ اور آپکا بجٹ؟" رائنا نے حریم کے بنائے پوائنٹس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بجٹ کی ٹینشن مت لیجیئے۔ مہنگی سے مہنگی اور سستی سے سستی چیز، جو بھی آپ کو چاہیئے، مل جائیگی۔"اس نے سرسری سے لہجے میں جواب دیا تو رائنا نے چہرا اٹھا کر اس کو دیکھا۔

"مسٹر راحب! میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ بلوم انٹیریئرز کے کام کی ایک پہچان ہے۔ اور وہ ہیں پھول۔ تازہ رنگین پھول۔ لوگ عموماً بلوم انٹیریئرز کا انتخاب اس لیے کرتے ہیں کیونکہ بلوم انٹیریئرز پھولوں کے ساتھ کام لینے کا فن جانتا ہے۔ اور ہمارا ہر پراجیکٹ پھولوں کے بغیر نا مکمل ہے ۔ اس لیے ہم اس انٹیریئر میں بھی پھولوں کو ایڈ کریں گے۔ اینی ایشو؟"حریم نے اس کو تفصیلی انداز میں وہ بات بتائی جو ان کے کام کی سب سے اہم بات تھی

۔

رائنا کو پھولوں سے عشق تھا اور اس نے پھولوں کو دیکھ کر ہی اپنی کمپنی کا نام 'بلوم' رکھا تھا۔ وہ اس معاملے میں کمپرومائز نہیں کرتی تھی۔ کئی پراجیکٹ وہ اس وجہ سے چھوڑ چکی تھی کہ کلائنٹ پھولوں کو منع کر دیتا تھا۔ لیکن وہ جہاں بھی جس جگہ پر بھی انٹیریئر کرتی تھی وہاں

پھولوں کے نشانات ضرور چھوڑتی تھی۔ پھول اس کے کام کی پہچان تھے۔ اس نے اپنی پسندیدہ چیز کو اپنے کام کا حصہ بنالیا تھا۔

(اس سے کوئی پوچھے کہ جب وہ خوبصورت سیاہ پھول اپنے گھر کی ڈسٹ بن میں بے دردی سے پھینک دیے تھے تب پھولوں سے عشق کہاجاسویا تھا؟)

"نہیں! میں پھولوں سے الرجیک ہوں۔ مجھے پولن الرجی ہے۔ میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

راحب نے دو ٹوک انداز میں کہا تو رائنا کے ماتھے پر بل پڑے۔ اس نے رخ موڑ کر افسوس اور خفگی سے حریم کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میری پاس دیکھ کر کلائنٹ لایا کرو۔ جن کو پھولوں سے الرجی ہو ان کو ای میل پر ہی اللہ حافظ کہہ دیا کرو۔

وہ گہرا سانس لیتے ہوئے راحب کی طرف مڑی۔

"سوری مسٹر راحب! میں وہاں کام نہیں کرتی جہاں پھولوں کو انکار کر دیا جائے۔ پھول میرے کام کی پہچان ہیں اور میں اپنے کام کی پہچان پر کمپرومائز نہیں کرتی۔" رائنا نے اس کو ٹھہرے ہوئے لہجے میں دو ٹوک جواب دیا اور زمین سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے کرسی

سے اٹھی۔ اس کے اٹھتے ہی حریم نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا اور خود بھی اٹھ گئی۔ راحب خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔ ہاتھ کی دو انگلیاں ہونٹوں پر جمی تھیں اور آنکھیں دلچسپی سے اس پر جمی تھیں جو کہ اب اٹھ چکی تھی۔

"خدا حافظ!" وہ آہستہ سے اس کو بولی اور بیگ کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے مڑ گئی۔ حریم بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

دروازے کو دھکیلنے کے لئے اس نے دستے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی، وہ بول پڑا۔

"مس رائنا! میں کانٹریکٹ کرنے کیلئے تیار ہوں!" اس کی ٹھہری ہوئی آواز نے رائنا کے قدم روکے تھے۔

اس نے دھیرے سے رخ موڑ کر راحب کو دیکھا جو اپنی نشست سے کھڑا ہو رہا تھا۔ رائنا پوری طرح اس کی طرف مڑ گئی۔ آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں جو اب چلتے ہوئے اس تک آرہا تھا۔ وہ اس کے سامنے رک کر نیلی ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہو گیا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سا ٹھہرا ہوا تاثر تھا۔ رائنا نے اس کو دیکھ کر بھنویں سکیڑیں۔

"اور یوں اچانک آپ کا فیصلہ کیسے اور کیوں بدل گیا؟" اس نے طنزیہ انداز میں سوال کیا تو راحب نے محض کندھے اچکائے۔

"پھولوں کے ساتھ ساتھ آپ کے کام کی پہچان سکون اور کمفرٹ بھی ہے۔ مجھے عمار نے بتایا تھا کہ آپ اپنے انٹیریئر کو ممکنہ حد تک پر سکون اور آرام دہ شکل دیتی ہیں۔ اور یہی میری بنیادی ترجیحات ہیں۔ ان کے لیے میں پھولوں کے معاملے میں تھوڑا سا کمپرومائز کر سکتا ہوں۔" اس نے پر سکون انداز میں اپنے فیصلے کے بدلاؤ کی وضاحت کی۔ آنکھیں اب بے تاثر سی اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ جیسے اس وجہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں تھی۔ رائنا نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی اور بولی۔

"ٹھیک ہے مسٹر راحب۔ آپ کا نٹریکٹ تیار رکھیے گا۔ میں سائن کرنے آجاؤں گی۔" اس نے مفاہمت سے کہا۔ اب جب وہ پھولوں کے لیے مان ہی گیا تھا تو اسکو کیا مسئلہ ہونا تھا۔

حریم اس کے پیچھے خاموشی سے کھڑی تھی۔ یہ فیصلے اس کو نہیں کرنے ہوتے تھے کہ فلاں کلائینٹ کے ساتھ کانٹریکٹ کرنا ہے یا نہیں۔ یہ اختیار صرف رائنا کا تھا۔

"مگر پھر بھی میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ریڈنگ ایریا میں پھولوں کو ایڈ کر سکتی ہیں۔ لیکن میٹنگ روم میں نہیں۔ اس کو سادہ اور پروفیشنل انداز میں ہی ڈیزائین کیجیئے۔ اور پھول آرٹیفیشیئل ہونے چاہیئں۔ اصل پھولوں کی موجودگی میں سانس لینا میرے لئے مشکل ہے۔ اٹس ایکچولی سیریئس!" راحب نے اپنی حالت کے پیش نظر گزارش کی تو اس نے آنکھیں سکیڑ کر اس کو گھورا۔

"خاصی سیریئس الرجی ہے آپ کو غالباً!" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے استہزاء سے کہا تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"جی بلکل! ایسا ہی ہے۔" اس نے نرمی سے کہا اور پیچھے مڑ کر عمار کو دیکھا۔

"عمار! کانٹریکٹ تیار کرواؤ۔" پھر مڑ کر رائنا کو مخاطب کیا۔ "آپ کل شام تک کانٹریکٹ سائن کرنے آجائیے گا۔ کل میں اوپر والے فلور کی کنسٹرکشن رکوادوں گا پھر آپ اسے بھی

وزٹ کر لیں گی۔"اس نے تفصیل سے اس کو کل آنے کی وجہ بتائی تو رائنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی بہتر! آپ بے فکر رہیں۔ میں سائٹ دیکھنے کے بعد ہی آپکے ساتھ آئیڈیاز شیئر کر سکتی ہوں۔ تب تک کیلیے، خدا حافظ!" وہ مسکرا کر اس کو ایک نظر دیکھتی الوداع کہتے ہوئے واپس مڑ گئی۔ ہیل کی ٹک ٹک اور جھولتے گھنگھریالے بالوں کے ساتھ وہ میٹنگ روم سے باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے دروازہ دھکیلتے ہوئے حریم بھی اس کے ساتھ باہر نکل گئی۔ میٹنگ بہت جلد اور آسانی سے برخواست ہو گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ان کے جانے کے بعد کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ راحب چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ آنکھیں دروازے پر جمی تھیں جہاں سے وہ ابھی نکلی تھی۔ وہ خاموش کھڑا تھا جیسے کسی سوچ میں مبتلا ہو۔ جب وہ کافی دیر ایسے ہی کھڑا رہا تو عمار گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

"باس! مینوفیکچرر کے ساتھ میٹنگ ہے۔ چلیں؟" اس نے راحب کو یاد کروایا تو اس کا جمود ٹوٹا۔ اسنے مڑ کر عمار کو دیکھا۔ آنکھیں خالی بے تاثر سی تھیں۔ عمار اسی کو دیکھ رہا تھا۔ راحب نے گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

ابھی سوچنے یا سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پاکستان کو خیر آباد کہہ کر ہم آسٹریلیا آتے ہیں۔

آسٹریلیا کے شہر سڈنی (Sydney) میں اس وقت رات کی سیاہی پھیلی تھی۔ آسمان سیاہ تھا لیکن وہاں چاند کا نام و نشان نہیں تھا۔ پو پھوٹنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ رات کا آخری پہر ختم ہونے کو تھا۔

سڈنی آسٹریلیا کا سب سے زیادہ آبادی والا شہر ہے، جس کی آبادی 5.5 ملین سے زیادہ ہے ۔سڈنی آسٹریلیا کا سب سے بڑا اور سب سے مشہور شہر ہے، جو اپنی شاندار بندرگاہ، متحرک ثقافت، اور سڈنی اوپیرا ہاؤس(Opera House) اور ہاربر برج (Harbour Bridge) جیسے عالمی شہرت یافتہ مقامات کے لیے جانا جاتا ہے۔ یہ قدرتی خوبصورتی، شہری نفاست اور کثیر الثقافتی توانائی کا ایک متحرک امتزاج ہے۔

ایسے ہی اگر سڈنی کے رہائشی علاقے میں داخل ہوں تو رہائشی علاقے میں کھڑی ایک بلند بلڈنگ اس وقت اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ وہ ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی جس کی گلاس ونڈوز اس وقت سیاہ تھیں۔ تمام اپارٹمنٹ کی بتیاں بند تھیں اس لیے اندر جھانکیں تو سیاہی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لوگ اس وقت خواب و خرگوش کے مزے لوٹنے میں گم تھے۔

لیکن اس اونچی بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ کی بتی ابھی جلی تھی۔ بتی جلنے سے اندر کا منظر اس سیاہی میں روشنی کی مانند واضح ہوا تھا۔ اگر گلاس ونڈو سے اندر دیکھیں تو وہ ایک چھوٹا سا

لاؤنج ایریا تھا جہاں صوفہ اور ایک ٹیبل تھا۔ نیچے کارپٹ بچھا تھا۔ لاؤنج میں ہلکی بتی جلی تھی جو اندھیرے کو کسی حد تک کم کر رہی تھی۔ کچن لاؤنج کے ساتھ ہی اٹیچڈ تھا۔ ایک کونے میں دو کرسیوں کے ساتھ ایک ٹیبل پڑی تھی۔ وہ اس اپارٹمنٹ کا ڈائننگ ٹیبل تھا۔ لاؤنج میں ایک دروازہ بھی تھا۔ شاید وہ بیڈ روم تھا۔

اچانک اسی بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک دراز قد آدمی بر آمد ہوا۔ اس نے ہاتھ میں جائے نماز پکڑ رکھا تھا۔ غالباً اس وقت وہ فجر پڑھنے کے لئے اٹھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے لاؤنج کے درمیان میں آیا اور کارپٹ پر جھک کر جائے نماز بچھایا۔ اس کے چہرے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں جو زمین بوس ہوئیں تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے بالوں کو پیچھے کیا اور نماز کے لیے ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"اللہ اکبر!" اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے تکبیر پڑھی اور نیت باندھ لی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ سجدہ کر رہا تھا۔ سجدے سے اٹھا تو فلور لیمپ کی زرد روشنی میں اس کا چہرا دکھائی دیا۔

گھنی پلکوں والی آنکھیں بڑی بڑی تھیں لیکن آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے واضح تھے۔ یہ اس کے چہرے پر اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ خشک تھے۔ جن سے اس وقت وہ آیاتِ ربانی پڑھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنا خیال نہیں رکھتا تھا اس لئے وہ ایسا تھا۔ دوسری رکعت میں وہ کھڑا ہوا تو اس کا قد بھی واضح ہوا۔ وہ دراز قد تھا۔ اس کو دیکھنے کے بعد اس کا پہلا تاثر واضح تھا۔

غمزدہ۔

ہاں! وہ غمزدہ دکھائی دیتا تھا۔

"اسلام علیکم ورحمۃ اللہ!" اب وہ سلام پڑھ کر رکعت ختم کر رہا تھا۔

سلام پڑھنے کے بعد وہ کچھ دیر ایسے ہی چپ چاپ آنکھیں جھکائے بیٹھا رہا۔ کسی غیر مرعی نقطے کو تکتے ہوئے۔ خاموش اور بے حرکت۔ لیکن پھر یکدم اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ چہرا جھکایا اور ہاتھ چہرے کے پاس کیے۔ اب وہ آہستہ آواز میں دعا کر رہا تھا۔ بہت مدھم آواز میں وہ چہرہ گرائے محوِ التجا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اے میرے مالک! تو میرا محرم راز ہے۔ میرے دل میں سر اٹھانے والی ہر خواہش سے واقف ہے۔ آج سے نہیں، اتنے سالوں سے میں تجھ سے ایک ہی دعا مانگتا آرہا ہوں۔ مجھے وہ عطا کر دے جس کی میں تجھ سے ہر روز التجا کرتا ہوں۔" وہ مدھم آواز میں اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلائے صدا کر رہا تھا۔ اسی کے سامنے جو سنتا تھا اور بہت غور سے سنتا تھا۔ اس کے سامنے جو دھتکارتا نہیں تھا۔ اس رب کے سامنے جو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا تھا۔ اس رب کے سامنے جس کے ہاں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں۔

"میں تجھ سے اس کی خیریت مانگتا ہوں میرے مالک! تو اس کو اپنی محفوظ پناہ میں رکھنا۔ میں اس کی حفاظت نہیں کر پایا لیکن اللہ! آپ اس کو اپنی امان میں رکھیے گا۔" وہ کس کی حفاظت کی دعا کر رہا تھا؟ معاً چپکے سے دو آنسو اس کی آنکھ سے نکلے اور اس کی ہتھیلی پر گر گئے۔ اور پھر سلسلہ بندھ گیا۔

"مجھے اس تک جانے کی راہ دکھا دیں اللہ۔ میں بھٹک گیا ہوں۔ وہ مجھے دکھائی نہیں دیتی۔ میں اس کو کہاں ڈھونڈوں جو مجھ سے کھو گئی ہے۔ میں خالی ہاتھ ہوں میرے پروردگار!

میں اس کے بغیر خالی ہاتھ ہوں!" وہ اب ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ چہرا ہاتھوں میں گرائے ہوئے اس کا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔

"میں اس کی حفاظت نہیں کر پایا۔ میں اس کا محافظ نہیں بن پایا، میں اس کو محفوظ نہیں رکھ پایا۔ وہ مجھ سے کھو گئی ہے اللہ۔ میں نے اس کو کتنا سنبھال کر رکھا تھا میرے اللہ۔ پھر وہ مجھ سے کہاں اور کیسے کھو گئی۔ اسے مجھ تک پہنچا دیں جو میری پہنچ سے دور ہو گئی ہے یا پھر مجھے اس کے در کا پتہ دے دیں۔ میں کہاں جاؤں میرے مولا؟ میں کہاں جاؤں؟" وہ سسکیوں کی زد میں تھا۔ آواز بھی اب بھاری ہو گئی تھی۔ ضبط کا بندھن ٹوٹ رہا تھا۔ بلکہ ہر صبح، فجر پڑھنے کے بعد جائے نماز پر بیٹھے اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ جاتا تھا۔ وہ ہر فجر میں اس کو ایسے ہی مانگتا تھا جیسے آج مانگ رہا تھا۔ اس کو جو اس سے کھو گئی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اس کا خسارہ بڑا تھا۔ وہ کس سے کہے؟ اس کی کوئی سننے والا نہیں تھا۔

"میں اس کو کہاں ڈھونڈوں؟ وہ مجھ سے کھو گئی ہے۔" وہ بار بار یہی کہتا جاتا اور روتا جاتا۔ آواز اب ساتھ چھوڑنے لگی تھی۔ بس آنسو تھے اور سسکیاں تھیں جن کی آواز اب اس لاؤنج میں گونج رہی تھی۔ مدھم اندھیرے میں ڈوبا لاؤنج اس کی آہیں سن سکتا تھا۔

"وہ مجھ سے کھو گئی ہے اللہ!"

"میں اس کا محافظ تھا۔ میں اس کی حفاظت نہیں کر پایا۔"

"مجھے اس تک پہنچا دیں جو مجھ سے دور ہو گئی ہے۔"

اس مدھم روشنی والے لاؤنج میں اس مرد کی آہیں اور التجائیں گونج رہی تھیں جو اب سجدے میں سر رکھے رو رہا تھا۔ جائے نماز اس کے آنسوؤں سے گیلا ہوتا رہا۔

اور پھر سڈنی شہر نے اس کو غمِ تنہائی کے سوا اور دیا ہی کیا تھا؟

یہ میڈیکل کالج سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر واقع ہاسٹل کے ایک پرائیویٹ کمرے کا منظر ہے جہاں اس وقت وہ بکھرے سے حلیے میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ وہ شاید ابھی سو کر اٹھی تھی۔ کالے لمبے بال کندھوں اور کمر پر بکھرے تھے۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ کچھ نیند اور کچھ آنسوؤں نے اس کی آنکھوں کا یہ حال کر دیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا فون کان سے لگا رکھا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ کچھ شک نہیں تھا کی کچھ دیر میں وہ رونے لگے گی۔

"اماں! بابا کو سمجھائیں۔ میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ میں اتنی دور سے یہاں ایم بی بی ایس کرنے آئی ہوں۔ میرے پیروں میں پہلے ہی بہت بیڑیاں ہیں۔ مزید مت ڈالیں۔" وہ بے چینی سے اپنی ماں کو کہہ رہی تھی۔

"ماحور بیٹا! تم اپنے بابا کو نہیں جانتی کیا؟ انہوں نے کس طرح تمہیں اتنی دور آنے کی اجازت دی تھی، یہ تم اچھے سے جانتی ہو۔" اماں بے بسی سے اس کو کہتی رہ گئیں۔

ماحور آدم ایک ہوسٹلائٹ تھی۔ایبٹ آباد شہر سے آنے والی ایک ایسی لڑکی جو اپنے خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو تعلیم کے لئے اپنے شہر سے اتنی دور آئی تھی۔

ماحور آدم کا تعلق ایک روایتی گھرانے سے تھا۔اس کے بابا اپنے گاؤں کو چھوڑ کر ایبٹ آباد آبسے تھے۔جہاں انہوں نے اپنی بہت سی عادات کو شہر آنے کے بعد بدل ڈالا تھا وہیں کچھ معاملات پر وہ بلکل سمجھوتا کرنے کو راضی نہ تھے۔ان کے آباؤ اجداد کا تعلق پشاور سے تھا مگر پھر وہ نسل در نسل مختلف شہروں میں منتقل ہوتے گئے۔کچھ نسلیں کراچی میں رہیں،کچھ کوئٹہ جا بسیں،اور کچھ سوات تک پہنچ گئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ نام بدلتے گئے، افراد بدلتے گئے ،شہر بدلتے گئے لیکن وہ اتنے سالوں بعد آج بھی مکمل طور پر اپنی کچھ پرانی روایات کو چھوڑ نہیں سکے تھے۔ وہ پختون روایات جو ان کی میراث تھیں۔اور ماحور،وہ ایبٹ آباد شہر کی ایک ایسی بیٹی تھی جس نے اپنی روایات سے لڑ کر یہ منزل حاصل کی تھی۔ ان کے ہاں بیٹیوں کو شہر سے باہر پڑھنے کیلئے نہیں بھیجا جاتا تھا۔بلکہ ماحور اپنی تمام کزنوں میں سے پہلی تھی جو اسلام آباد تک پڑھنے گئی تھی۔

لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ منزل اس کے نصیب میں تھی بھی کہ نہیں۔

"اماں! مجھے ابھی ایک ہفتہ نہیں ہوا یہاں آئے ہوئے۔ بابا مجھے واپس نہیں بلا سکتے۔ میری سکالرشپ ضائع ہو جائے گی۔ میں کتنی مشکل سے یہاں آئی ہوں آپ جانتی ہیں نا؟" وہ تیز تیز بولی جا رہی تھی۔ اس پر خوف طاری ہو رہا تھا۔

خواب ٹوٹ جانے کا خوف۔

"میری بچی! میں سب جانتی ہوں۔ وہ تمہیں ہمیشہ کے لئے واپس نہیں بلا رہے۔ منگنی ہو جانے دو پھر واپس۔۔" اماں اس کو سمجھانے لگیں تو وہ فوراً بول اٹھی۔

"اماں میں اظفر بھائی سے منگنی نہیں کروں گی۔ بلکہ ان سے تو کیا، میں نے کسی سے بھی منگنی نہیں کرنی۔ میں یہاں ڈاکٹر بننے آئی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر بننے دیں۔ مجھے کسی کی منگیتر نہیں بننا!" وہ جھنجلاتے ہوئے بولی۔ اس کے سر میں درد شروع ہو رہا تھا۔

"ماحور!" اس کی ماں نے درشتی سے اس کو پکارا۔

”اماں ! کیا خواب لے کر پیدا ہونا اتنا بڑا گناہ ہے؟ کیا میں گناہگار ہوں کہ میں اپنے خوابوں کے لئے لڑتی ہوں؟ میں جانتی ہوں اماں، ہم جیسے گھرانوں میں عورت کے خوابوں کی بہت بڑی قیمت لگائی جاتی ہے۔ بابا بھی مجھ سے اب وہی قیمت وصولنا چاہتے ہیں۔ ہے نا؟“ اس نے نم لہجے میں اماں سے سوال کیا۔ اس کو آج بھی وہ رات یاد تھی جب اس نے بابا کو ان کے کمرے میں جا کر بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔ اور بابا نے اس کو بس ایک جواب دیا تھا۔

”آج تم مجھ سے اپنے مقصد کے لئے سوال کر رہی ہو ماحور! مستقبل میں جب میں تم سے اپنی غرض کے لیے سوال کروں تو تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔“ انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا مگر وہ ان آنکھوں کے پیچھے چھپی غرض نہیں سمجھ سکی تھی۔ وہ اس کے سامنے جانے کی شرط پیش کر رہے تھے اور آج انہوں نے اپنی غرض اس کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔ وہ گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر گئی۔ اور دوسری

طرف اماں اس کے لہجے کی نمی پر آنسو پیتی رہ گئیں۔ وہ کیا کرتیں؟ وہ بے بس تھیں۔ کبھی کبھار مائیں بے بس ہی ہوتی ہیں۔

"ماحور! ان کی بات مان لو۔ انہوں نے دو سال تمہیں اسلام آباد آنے کی اجازت نہیں دی۔ تمھارے دو سال ضائع ہو گئے۔ تم تب بھی مایوس نہیں ہوئیں تو اب کیوں ہوتی ہو؟" اماں نے اس کی ہمت باندھنی چاہی۔ انٹر میڈیٹ کے امتحانات پاس کرنے کے بعد جب اس نے بابا سے ڈاکٹر بننے کے بابت سوال کیا تو انہوں نے اس کے سامنے شرط پیش کی تھی جس کو اس نے اس وقت قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا تھا کہ جب میں تم سے اپنی غرض کے متعلق سوال کروں گا تو تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔ اب اسے لگ رہا تھا کہ شاید اظفر بھائی سے منگنی ہی ان کی شرط تھی۔

اس شرط کے باوجود بابا نے اس کو اسلام آباد جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ اسلام آباد میں ایم بی بی ایس کرنا چاہتی تھی۔ اور اس کے لئے بابا نے اس کو صحیح طریقے سے آزمایا تھا۔ انہوں نے اس کو دو سال انتظار کرنے کو کہا تھا اور اس نے بہت صبر سے یہ گیپ

ایئرز گزارے تھے۔عام لڑکیوں کے مقابلے میں اس کے دو سال مکمل طور پر ضائع ہوئے تھے لیکن اس نے شکایت نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی جب تک بابا کو مطمئن نہیں کرے گی تب تک گھر سے باہر نہیں جا پائے گی۔

"اماں ! کیونکہ تب بابا مجھے آزمانا چاہتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ یہ ڈاکٹری شاید کچھ مہینوں کا خمار ہے، اتر جائے گا۔ لیکن جب میں نے ان کا دیا ہوا امتحان گزار لیا تو ان کو مجھے بھیجنا پڑا۔ یہ میرا حق تھا۔" وہ آنکھیں ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"میں آج تک تمہارے لئے کچھ نہیں کر پائی ہوں۔ پہلے بھی بے بس تھی اور آج بھی ہوں۔ تمہارے تایا اور چچا آنے والے ہیں اگلے مہینے تک۔ تمہارے پاس اتنا ہی وقت ہے کہ خود کو قائل کر لو۔ اس کے بعد وہ خود تمہیں لینے آجائیں گے۔ ماحور! محض ایک منگنی کی رسم ہے، اس کے بعد واپس آجانا۔ وہ تمہیں نہیں روکیں گے۔" اماں اس کو پچکارتے ہوئے بولیں تو اس نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"منگنی کرنی ہی کیوں ہے؟ بابا نے آنے سے پہلے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ آج تک انہوں نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ اچانک ان کو کیا ہو گیا ہے؟" وہ دکھتے سر کے ساتھ بیڈ سے اٹھی اور کونے میں پڑے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ فون سپیکر پہ ڈالا اور ٹیبل پر رکھا۔ ہیئر برش اٹھا کر بال سلجھائے اور پھر ان کا جوڑا بنانے لگی۔ گردن اٹھا کر دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس کو کالج کے لئے دیر ہو رہی تھی۔ اماں ابھی بھی بول رہی تھیں۔

"بیٹیوں سے ایسی باتیں کون سا باپ کرتا ہے ماحور؟ حد کرتی ہو تم بھی۔ اور یہ بات اچانک نہیں ہے، یہ تب سے طے ہے جب تم نے ان سے اسلام آباد آنے کی بات کی تھی۔" اماں کے انکشاف پر جوڑا بناتے ہوئے اس کے ہاتھ تھمے۔

تو جو وہ سمجھ رہی تھی وہ ٹھیک تھا۔ بابا کی مستقبل کی غرض یہ ہی تھی۔ اظفر بھائی سے منگنی!

پتا نہیں ہمارے ملک میں سب نے یہ بات کیوں پلے باندھ لی ہے کہ اگر بیٹی کے پیروں میں کوئی بیڑی باندھنی ہی ہے تو شادی یا منگنی کی ڈال دو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کا دل دکھا تھا۔ ایک دم سے جیسے دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا ہو۔ وہ ہرٹ ہوئی تھی اور ہرٹ بھی بابا نے کیا تھا۔ خیر ویسے بھی اس کا بابا سے کبھی ایسا رشتہ تھا ہی نہیں کہ وہ ان سے دل کی بات کھل کر کہہ سکتی۔ وہ عام بیٹیوں کی طرح اپنے بابا سے اتنی قریب نہیں تھی۔ کمبخت آنسوؤں کا گولا اس کے حلق میں پھنسنے لگا تو اس نے فوراً فون اٹھایا۔

"اماں میں کالج کے لئے لیٹ ہو رہی ہوں۔ بعد میں بات کروں گی۔ اللہ حافظ!" اس نے دفعتاً ان کو خدا حافظ کہا اور کال کاٹ دی۔ اماں ماحور ماحور کرتی رہ گئیں۔

اس نے تیزی سے اپنے آنسو پیئے، جوڑا مکمل کیا اور الماری سے کپڑے نکالتی واش روم میں گھس گئی۔ پندرہ منٹ بعد باہر آئی تو سی گرین رنگ کی قمیض اور ہم رنگ شلوار پہن رکھی تھی۔ منہ دھلا دھلایا تھا اور آنکھیں تھوڑی سی سرخ تھیں۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے سی گرین دوپٹہ سر پر اوڑھا اور پھر سٹول پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگی۔ ہوسٹل کا یہ کمرا صرف اس کا تھا۔ اس نے روم میٹ کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اکیلے کمرے میں پڑھنے کی عادی تھی اس لئے بابا نے اس کے لئے صرف ہاسٹل کا انتظام کر دیا تھا۔ باقی تمام معاملات اس کی سکالرشپ کی بدولت پہلے ہی طے ہو گئے تھے۔

جوتے پہننے کے بعد وہ اٹھی، سٹڈی ٹیبل پر پڑی کچھ کتابیں بیگ میں رکھیں اور بیگ کو کندھے پر ڈالا، لیب کوٹ بازو پر رکھا اور فون اٹھاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

اب اس کی منزل میڈیکل کالج تھی۔ سر میں ہوتا درد آہستہ آہستہ بڑھنے لگا تھا۔

کلاس روم سے نکلتے ہوئے اس کے سر میں درد شدت اختیار کرنے لگا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

رات کو وہ پڑھتے پڑھتے سٹڈی ٹیبل پر سر رکھ کر ہی سو گئی تھی۔ فجر کی آزان پر آنکھ کھلی تو وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ فجر پڑھی اور دوبارہ بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ نیند اتنی آئی تھی کہ پتا ہی نہیں چلا کب دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ اگلی بار اس کی آنکھ فون کی رنگ ٹون سے کھلی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اور مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اماں کی کال تھی۔ اس نے فوراً وقت دیکھا تو گھڑی سات بجا رہی تھی۔ مطلب وہ بس دو گھنٹے ہی سو پائی تھی۔ اماں سے کی

گئی بات نے اس کا دماغ اور گھما دیا تھا۔ نیند کی کمی کے باعث آنکھیں بھی جلنے لگی تھیں۔ لیکن اس کے پاس اب سونے کا وقت نہیں تھا۔ اس لئے وہ فوراً تیار ہو کر کالج کے لئے نکلی تھی۔ میڈیکل کالج اس کے ہاسٹل سے پندرہ منٹ کی دوری پر تھا اور یہ فاصلہ وہ کالج ٹرانسپورٹ پر طے کرتی تھی۔

رات کو اس قدر کم نیند اور ذہنی طور پر تھکاوٹ کی وجہ سے اب سر میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ کنپٹی کو اپنی انگلیوں سے دبانے لگی۔ اس کے ساتھ چلتی سبین بول رہی تھی۔ سبین اقبال اس کی کلاس فیلو تھی جس کے ساتھ اس کی بات چیت ابھی ہفتہ پہلے ہی شروع ہوئی تھی۔ وہ باتونی سی مگر پڑھاکو لڑکی تھی۔

"سر جبار نے جو اسائنمنٹ دی ہے، اس کے لئے ہمیں کسی سینیئر کی مدد لینی پڑے گی۔" اپنے بیگ میں کتاب ڈالتے ہوئے وہ بولی اور اس کو دیکھا جو اپنی کنپٹی دبا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ سر میں درد ہے؟" اس نے پریشانی سے سوال کیا تو ماحور نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

"رات کو نیند نہیں پوری ہوئی ہو گی نا؟" اس نے اندازہ لگایا تو اس نے دوبارہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو ہم کینٹین میں چلتے ہیں۔ چائے پی لو گی تو سر میں درد کو آرام ملے گا۔" سبین اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ لیکن وہ چلتے چلتے رک گئی۔

"میں چائے نہیں پیتی اور پہلے لائبریری چلتے ہیں۔ ہمیں ریسرچ کرنی ہے۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑوا کر راہداری کے عین آخر کی جانب بڑھ گئی۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو اوپر واقع لائبریری کی طرف جاتی تھیں۔ سبین حیران سی اس کی تقلید میں بھاگی۔

"تمہارے سر میں اتنا درد ہے ماحور۔ تم واقعی لائبریری جا کر پڑھنا چاہتی ہو؟" اس نے حیرانی اور تجسس سے اس کو پوچھا۔

"ہاں!" اس نے مختصراً جواب دیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

لائبریری ان کی توقع کے مطابق بہت وسیع تھی۔ اونچی اونچی دیواروں کے ساتھ لمبے لمبے کتابوں کے ریک لگے تھے۔ بھوری لکڑی سے بنے ریکس میں لاتعداد کتابیں سجی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ دونوں ایک لمحے کو رک کر پوری لائبریری کو دیکھے گئیں۔ لائبریری میں جگہ جگہ رکھی گئی میزوں پر طلباء کتابوں میں سر دیے بیٹھے تھے۔

وہ آگے بڑھی اور ایک میز کے گرد رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ بیگ کو میز پر رکھا، کتاب نکالی اور سر اٹھا کر سبین کو دیکھا جو ابھی بھی لائبریری کو سر گھما گھما کر دیکھنے میں مصروف تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ ہمیں کسی سینیئر کی مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس سے مدد لیں گے؟" اس نے سبین سے سوال کیا تو وہ لائبریری کو دیکھنا چھوڑ کر کندھے اچکاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں۔ میں تو کسی سینیئر کو نہیں جانتی جو ہماری مدد کر سکے۔ تمہارے علاوہ میری کسی سے بات چیت نہیں ہے۔ میرے بھائی بھی ڈاکٹر ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو میں ان سے مدد لے لیتی لیکن اب تو ایسی کوئی سہولت نہیں۔۔۔" وہ مایوسی سے بولتے بولتے یکدم رکی۔

"ایک منٹ۔۔" ہاتھ میں پکڑا فون اٹھایا اور ایک نمبر ملاتے ہوئے کان سے لگایا۔ ماحور کو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دیکھا جو اس کو الجھن سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور اس کو تسلی دی۔ دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا تو وہ جھٹ سے بولی۔

"ہیلو! حماد بھائی! میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔ مجھے اپنی اسائنمنٹ کے لئے کسی سینیئر کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ کا ایک دوست میرے میڈیکل کالج میں ہی پڑھتا ہے۔ کیا نام تھا اس کا؟" اس نے عجلت میں اپنے بھائی سے سوال کیا۔

"صالح!" اس نے نام بتایا تو وہ فوراً بولی۔

"جی ہاں! صالح! کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان کا ڈیپارٹمنٹ کونسا ہے؟ میں ان سے وہاں مل لوں گی اسائنمنٹ کے سلسلے میں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وہ کارڈیولوجی ڈیپارٹمنٹ میں ہوتا ہے سبین۔ تم پریشان مت ہو، میں اس کو کہہ دیتا ہوں وہ تم سے کالج میں ہی مل لے گا۔ تم کہاں ہو؟" وہ اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا اٹھی۔ ماحور اس سب کے دوران خاموش تھی۔

"میں لائبریری میں ہوں۔" اس نے اپنی لوکیشن بتا کر دو تین باتیں کرنے کے بعد فون کاٹ دیا اور ماحور کی طرف مڑی۔

"سینیئر کی ٹینشن تم نہ لو۔ میں نے انتظام کر لیا ہے۔" وہ فراخدلی سے بولی تو ماحور ہنس دی۔

"شکریہ۔ اپنے ساتھ ساتھ میرا بھی کام آسان کرنے کے لئے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کو کہنے لگی اور کتاب پر جھک گئی۔ اور پھر واقعی پندرہ منٹ کے بعد وہ ان کے سامنے تھا جس نے بلو سکربز پر سفید لیب کوٹ پہن رکھا تھا۔ دائیں کندھے پر سیاہ بیگ تھا۔ وہ چلتے ہوئے ان تک آرہا تھا۔ بال ایک طرف سیٹ کئے گئے تھے۔ اور کلائی پر ہمیشہ کی طرح ڈیجیٹل واچ تھی۔

ففتھ ایئر کا صالح خان۔

صالح ان کے گھر آتا رہتا تھا اس لئے سبین نے اس کو پہچان لیا تھا۔ اور صالح نے سبین کو اس کی عینک سے پہچانا تھا۔ حماد نے اسے کال پر اس کو پہچان لینے کی غرض سے بتایا تھا کہ میری بہن عینک پہنتی ہے۔

"اسلام علیکم!" سبین نے اس کو سلام کیا تو اس نے سر ہلا کر اس کا جواب دیا۔

"وعلیکم اسلام! جی سبین بتائیے۔ آپ کو کیا مدد چاہیے اسائنمنٹ کے لئے؟" اس نے پر سکون انداز میں اس سے پوچھا۔ آنکھیں نرم تاثر لئے ہوئے تھیں۔

"صالح بھائی! یہ میری دوست ماحور ہے۔ ہمیں سر جبار نے جو اسائنمنٹ دی ہے اس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے ماحور کا تعارف کروایا تو صالح نے سر جھکا کر کرسی پر بیٹھی ماحور کو دیکھا۔

ایک لمحے کو اس کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا۔ ماحور نے بھی سر اٹھا کر اس کو دیکھا تو رک گئی۔ دونوں ایک لمحے کے لئے جھجھکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے۔ شاید نگاہوں کا وہ تصادم بہت پر زور تھا جس کا اثر آج بھی ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن ماحور کو یکدم گھبراہٹ ہوئی تھی۔ ایک تو پتا نہیں وہ اس کو دیکھ کر گھبرا کیوں جاتی تھی؟ آج سے پہلے گھر کے مردوں کے علاوہ کسی مرد سے سامنا جو نہیں ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

صالح بھی اس کو پہچان گیا تھا۔ یہ وہی تھی جس کے بارے میں کی گئی باتوں پر آگ بگولا ہو کر اس نے عدیل کو مکا مارا تھا۔ آہ! وہ اس کے لئے اتنا سیریئس کیوں ہو گیا تھا؟

دونوں اپنی اپنی شرمندگی میں اتنا ڈوبے تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔ سبین ان کو باری باری دیکھ کر بولی۔ "آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں تو۔"

نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔" دونوں نے ایک ساتھ انکار کیا تھا۔ ماحور اس کو چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اوہ اچھا! آپ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے تو مجھے لگا شاید۔۔ اینی ویز! ہم اسائنمنٹ کے بارے میں بات کریں؟ صالح بھائی! پلیز بیٹھیئے۔" سبین ان دونوں کی حالت سے بے نیاز بولی جا رہی تھی۔ اس نے صالح کو بیٹھنے کا کہا تو وہ اپنی خود ساختہ شرمندگی سے نکلتے ہوئے کرسی گھسیٹتے ہوئے بیٹھ گیا۔ بیگ کندھے سے اتار کر میز پر رکھا۔ ماحور بھی

سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ماحور کی کرسی صالح کے سامنے تھی اور اس کی داہنی طرف سبین بیٹھی تھی۔ وہ نظر اٹھا کر براہ راست ماحور کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اب ایسا نہیں کرے گا۔ وہ اس کا انجام جانتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ہاتھ میں ایک پین پکڑے کتاب پر رکھتے ہوئے ان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ نوٹس بنا رہی تھیں۔ وہ مدھم آواز میں بول رہا تھا۔ نرم انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ جیسے اس کو کوئی جلدی نہیں تھی۔ اس کی آواز بہت پیاری تھی۔ اکھڑ مردوں جیسی کرخت آواز نہیں بلکہ مدھر سی معصوم آواز۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ماحور نے آنکھیں اٹھا کر اس کو دیکھا اور اس کی آواز کے حسن کا اعتراف کیا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کی کرختگی سے پاک تھا۔

"دل کے لیے جگہ بنانے کے لیے انسان کا بایاں پھیپھڑا دائیں پھیپھڑے سے تقریباً دس پرسنٹ چھوٹا ہوتا ہے اس لئے۔۔" وہ ان دونوں کو ایک جھلک دیکھ کر سمجھاتا جا رہا تھا۔

انہیں جھلکوں کے دوران اس نے دیکھا تھا کہ ماحور وقفے وقفے سے کبھی اپنی کنپٹی کو دباتی یا پھر اپنے ماتھے کو انگلیوں سے مساج کرتی تھی۔ شاید اس کے سر میں درد تھا۔

آدھا گھنٹہ وہ ان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جو جو وہ سوال پوچھتیں، وہ ان کا جواب نرمی سے دے رہا تھا اور جب وہ آدھے نوٹس بنا چکیں، تو اس نے کتاب بند کر دی۔

"آج آپ اس سب کی اسائنمنٹ بنائیں جو آپ کو سر جبار نے پڑھایا ہے۔ سبین! میں اس کی باقی ڈیٹیلز بھی آپ کو دے دوں گا۔ اس کے علاوہ لائبریری میں ایسی کافی بکس موجود ہیں جن سے آپ اسائنمنٹ کے لیے میٹیریئل لے سکتی ہیں۔" صالح نے ان کو مزید ہدایات دیں اور کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کو دیکھتے وہ دونوں بھی کرسی سے اٹھ گئیں۔

"تھینک یو صالح بھائی! آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود ہمیں ٹائم دیا۔ آپ کی کلاسز نہیں ہیں آج؟" سبین کے سوال پر وہ مسکرایا۔

"ففتھ ایئر میں زیادہ تر پریکٹس کی جاتی ہے۔ اور میں ابھی وہی کر کے آرہا ہوں۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے جواب دیا تو سبین نے اثبات میں سر ہلایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں اسائنمنٹ کے لئے بکس ڈھونڈ کر آتی ہوں، اس سے پہلے کہ لائبریری بند ہو جائے۔"
اس نے عجلت میں کہا تو ماحور بھی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ لیکن سبین مڑی اور کہنے لگی۔ "تم بیٹھ جاؤ۔ پہلے ہی تھکی ہوئی ہو۔" وہ اس کی کہنی پکڑ کر اس کو کرسی پر بٹھا گئی۔

"خدا حافظ صالح بھائی! ایک بار پھر سے تھینک یو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلی گئی۔ صالح نے مسکرا کر اس کے شکریہ کا جوب دیا اور اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ یعنی وہ دونوں ادھر اکیلے رہ گئے تھے۔

کرسی پر بیٹھیں مس دوپٹہ اور میز کے پاس کھڑے مسٹر فیمینسٹ!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ماحور نے سر درد سے عاجز آ کر سر میز پر رکھ دیا۔ اس نے بازو میز پر رکھ کر ان میں سر دیا ہوا تھا۔ اس درد سے اس کی اب بس ہو گئی تھی۔

صالح نے اس کا جھکا سر دیکھا تو جھک کر میز سے اپنا بیگ اٹھا لیا۔ بیگ میں سے ایک چیز نکالی اور اس کے سر کے نیچے دیے ہوئے بازوؤں کے قریب کی۔ ماحور نے محسوس

ہونے والی ہلکی سی آہٹ پر سر اٹھایا تو صالح جھک کر اس کے سامنے کچھ رکھ رہا تھا۔ اس نے میز سے بازو ہٹائے اور نظر جھکا کر دیکھا تو وہ ٹیبلٹ کی ڈبی تھی۔

"کھالیں! درد میں افاقہ ہو گا۔" گلا کھنکھارتے ہوئے وہ نظر جھکا کر کہہ گیا۔ ماحور ساکت رہ گئی۔ اس کو کیسے معلوم ہوا کہ میرے سر میں درد ہے؟ وہ ششدر سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے دوبارہ نظر جھکا کر ڈبی کو دیکھا۔ وہ واقعی سر درد کی دوا تھی۔

ماحور نے پھر نظر اٹھا کر اس کو دیکھا تو وہ کندھے پر بیگ ڈالتے ہوئے واپس مڑ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اپنی حیرانی سے باہر نکلتے ہوئے وہ اس کو شکریہ کہتی، وہ دور جا چکا تھا۔ وہ تب تک اس کی پشت دیکھتی رہی جب تک وہ لائبریری کا داخلی دروازہ پار کر گیا۔ اس نے ہاتھ میں ڈبی پکڑی اور اس میں سے دوا نکال پانی کے ساتھ نگل لی۔ دوبارہ سے میز پر دکھتا سر رکھتے ہوئے اس کے ذہن میں بس ایک ہی بات گردش کر رہی تھی۔

آخر اس کو کیسے پتا چلا؟

کمرے میں اس وقت ہلکی روشنی پھیلی تھی۔ کمرے کی باقی تمام لائٹس بند تھیں اور جگہ جگہ رکھے لیمپ آن تھے۔ یہ زرد روشنی والے لیمپ تھے۔ کمرے کے مکین کو آنکھوں میں چبھتی ہوئی بتیاں نہیں پسند تھیں۔ ہلکی ہلکی مدھم روشنی والا کمرہ اس کی آنکھوں کو سکون دیتا تھا۔

گرم، عنبر کی رنگت والی سٹرنگ لائٹس چھت کے کناروں کے ساتھ ڈھیلے طریقے سے لپیٹی تھیں، جس سے نرم، دھیمی چمک پھوٹ رہی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں فرش لیمپ کھڑا تھا، اس کی روشنی دھند میں صبح کے سورج کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ بیڈ کے اطراف میں رکھی ایک سائیڈ ٹیبل پر، نمک کا لیمپ آہستہ سے چمک رہا تھا، جس سے قدرتی گرمی کا ایک لمس شامل ہوتا تھا۔ کمرے کے وسط میں پڑے بیڈ پر کچھ سامان بکھرا تھا۔ جس سے بے نیاز وہ بیڈ پر بیٹھی ایک گفٹ پیک کر رہی تھی۔ یہ اس کی ماما کی سالگرہ کا تحفہ تھا۔

دوپہر میں آر ایم آر کیٹیکٹس کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کے بعد وہ واپس اپنے آفس آ کر مصروف ہو گئی تھی۔ اپنے سپیشل کلائنٹس کی کالز کا جواب دینا اس کی زمہ داری تھی۔ اور آج اس نے کلائنٹس کو پروگریس رپورٹ دینی تھی۔ اس کام میں اس کو دو گھنٹے لگ گئے تھے۔

اس کے بعد وہ کچھ فرنیچر خریدنے کے لئے حریم کے ساتھ چلی گئی۔ فرنیچر کی پسند میں اس کو خاصا وقت لگ گیا تھا۔ پھر اس کو کلائنٹ کے گھر تک پہنچاتے، اس کی سیٹنگ کرواتے رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ یہ اس کے گھر جانے کا وقت تھا۔ آفس جا کر چھوٹے موٹے کام نمٹانے کے بعد وہ گھر کے لئے نکل گئی تھی۔ اور اب ماما کی سالگرہ کا تحفہ پیک کر رہی تھی۔ وہ اس وقت سیاہ کورڈ سیٹ میں ملبوس تھی۔ جس پر سفید بٹن لگے تھے۔ سادہ سے سیاہ سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ وہ بغیر کسی آرائش کے بھی بہت خوبصورت تھی۔

تحفے کی پیکنگ مکمل ہو گئی تو وہ بیڈ پر بکھرے سامان کو سمیٹنے لگی۔ سامان سمیٹنے کے بعد اس نے تحفہ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔ اب اس کا رخ ماما کے کمرے کی طرف تھا۔

"ماما! میں اندر آجاؤں؟" اس نے دروازہ نوک کرکے دروازے سے کمرے میں سر نکالا۔ گھنگھریالے بال آگے کو گرے۔

"ہاں جی بیٹا! آجاؤ۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟" وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ رائنا گفٹ ہاتھ میں پکڑے اندر آگئی۔

منزہ بیگم ایک پچاس سالہ خاتون تھیں لیکن ان کو دیکھ کر ایسا نہیں لگتا تھا۔ وہ آج بھی جوان لگتی تھیں۔ بس وقت گزرنے کے ساتھ آنکھوں پر چشمہ لگ گیا تھا۔ ورنہ وہ آج بھی ویسی ہی حسین تھیں جتنی اپنی جوانی میں ہوتی تھیں۔ رائنا زیادہ تر اپنی ماں کے نین نقش لے کر پیدا ہوئی تھی۔

"میں نے زری آپا کو کہا تھا کہ آپ کو سونے نہ دیں۔ اسی لئے چیک کر رہی تھی کہ آپ سو تو نہیں گئیں۔" وہ چلتے ہوئے ان کے بیڈ تک آئی تو منزہ بیگم نے پاؤں سمیٹ کر اس کو بیٹھنے کی جگہ دی۔ وہ بیڈ کے ایک کونے پر ان کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئی۔ منزہ بیگم کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے نفاست سے پیک شدہ تحفے پر گئی تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

"پھر سے تم نے وہی کیا جس سے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ مجھے کوئی تحفہ نہیں چاہیئے رائنا!" انہوں نے تاسف سے اس کو دیکھا۔

ایک تو یہ امائیں تحفے پتا نہیں کیوں لینا پسند نہیں کرتیں؟

"ماما! تحفہ تو کیا میں نے آپ کے لئے زری آپا سے کیک بھی بیک کروایا ہے۔" وہ خوشی خوشی ان کو بتانے لگی اور ہاتھ میں پکڑا تحفہ ان کی گود میں رکھا۔ کل منزہ بیگم کی سالگرہ تھی، اس لئے وہ رات کے بارہ بجے ان کے ساتھ کیک کاٹنا چاہتی تھی۔

"میرے جانے کے بعد کھولیئے گا۔ صبح پوچھوں گی کہ کیسا لگا۔" اس نے تاکید کی تو انہوں نے بل آخر مسکراتے ہوئے تحفہ ہاتھ میں لیا۔ لیکن آنکھیں خفگی سے اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ دیکھتے ہیں اس مرتبہ میرے لئے میری بیٹی کو کیا پسند آگیا۔" وہ تحفے کو اپنی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔ رائنا ان کو دیکھ کر مسکرا دی۔ اس نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور ان کے قریب ہو کر انہیں ایک طرف سے حصار میں لیا۔

"بابا کے جانے کے بعد آپ کا پہلا برتھڈے ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ اداس ہوں۔ اس لئے چھوٹی سے کوشش کی ہے آپ کو خوش کرنے کی۔" وہ اداسی سے کہہ رہی تھی۔ اس کی بات پر منزہ بیگم نے خفگی سے اس کو دیکھا۔

"میں اداس نہیں ہوں رائنا۔ تم ایسے نا سوچو۔ اور تم مجھے اداس رہنے کہاں دیتی ہو۔" انہوں نے اسے پیار سے تسلی دی تو وہ ان سے الگ ہو کر ان کو دیکھنے لگی۔

"بابا ہوتے تو آپ کی سالگرہ دھوم دھام سے مناتے۔ یاد ہے آپ کی سالگرہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہوتا تھا۔" وہ نم آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔ بابا کا ذکر اب اکثر اس کی آنکھیں نم کر دیتا تھا۔ ایسا ہی ہوتا تھا، وہ اپنی باتیں کرتے کرتے کب خضر مراد کو یاد کرنے لگتی تھیں پتا ہی نہیں چلتا تھا۔

"میں نے کسی مرد کو اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی بابا آپ سے کرتے تھے۔" اس کی ستائش زدہ سرگوشی پر منزہ بیگم بھی مسکرا دیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کھوئی ہوئی چیز دوبارہ حاصل ہو جائے تو اس کی اہمیت پہلے سے بہت زیادہ ہو جاتی ہے بیٹا۔" وہ سر اٹھائے انہیں دیکھنے لگی۔ آنکھیں ابھی بھی نم تھیں۔

"بابا بہت خوش قسمت تھے نا ماما؟ اللہ کو ان سے بہت محبت تھی اسی لیے اللہ نے بالآخر انہیں اس سے نوازا جس کی انہیں چاہ تھی۔" وہ حسرت سے بولی۔ ماما اور بابا کی محبت کی کہانی اس کو بہت پسند تھی۔

"ہاں! خضر بہت خوش قسمت تھے کہ انہیں دو دو محبت کرنے والی بیویاں ملیں۔ عزت کرنے والی اولاد ملی اور پر وقار جنازہ ملا۔ اس سے زیادہ انسان کس چیز کی خواہش رکھتا ہے؟" وہ بیڈ سے ٹیک لگاتے ہوئے آزردگی سے بولیں۔

منزہ بیگم، خضر مراد کی دوسری بیوی مگر پہلی محبت تھیں۔ منزہ بیگم خضر مراد کی ماموں زاد تھیں۔ خضر کے اماں ابا کی وفات اس وقت ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہوئی جب وہ محض دس سال کے تھے۔ خضر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اس صورت حال میں اکبر صاحب اپنے بھانجے کو بڑی محبت کے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے۔ وہ ان کی لاڈلی بہن اور جگری دوست کی اکلوتی

اولاد تھا۔انہوں نے اس کو سینے سے لگا کر رکھا۔اس کے اپنے ماموں کے گھر آنے کے ایک مہینے بعد اکبر صاحب کے گھر اللہ نے رحمت بھیجی تھی۔منزہ اکبر۔وہ ان سے دس سال چھوٹی تھیں۔اماں ابا کی وفات کا غم اتنا تھا کہ وہ پورا پورا دن کمرے کے ایک کونے میں بیٹھے رہتے تھے۔خاموش اور ساکت۔ایسے میں اکبر صاحب نے منزہ کو لا کر ان کی گود میں دیا تھا اور اس رات سے ان کی لازوال دوستی اور پھر محبت کا آغاز ہوا تھا۔ان دونوں میں بچپن سے ہی دوستی اور عقیدت کا رشتہ استوار ہوا تھا۔لیکن خضر مراد کی منزہ اکبر کے لئے یہ عقیدت، محبت میں کب بدلی وہ جان ہی نہ سکے۔ان کے برعکس منزہ بیگم زندگی کی بہاروں کو بے فکری سے گزارنے میں مصروف تھیں۔وہ اس سب سے بہت دور تھیں۔خضر نے ایک عرصہ اپنے جزبات کو منزہ سے چھپا کر رکھا۔وہ دوستی کے اس بے لوث رشتے کو جزبات کی دہکتی آگ میں جھونکنا نہیں چاہتے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہوں نے براہ راست ماموں جان سے بات کرنی چاہی۔ لیکن جس وقت وہ ماموں جان کی سٹڈی کے دروازے کے باہر پہنچے، اندر سے آتی آوازوں نے ان کو مزید قدم بڑھانے سے روکا تھا۔

"آپ نے مجھے کہا تھا کہ اگر تمہارا دل کسی کے حق میں گواہی دے ڈالے تو سب سے پہلے میرے پاس آنا۔ کوئی غلط قدم مت اٹھانا۔ بابا! میں نے دل کے آگے ہتھیار پھینک دیے ہیں۔ اور میں سب سے پہلے آپ کے پاس آئی ہوں۔" یقیناً یہ آواز منزہ کی تھی۔ وہ یکدم مسکرائے۔ اس سوچ نے ان کے دل کو باغ باغ کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ ساتھ منزہ بھی اس راہ کی مسافر تھیں جسے محبت کہتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں لیکن وہ اس وقت یہاں سے ہلنے کی ہمت نہیں کر پائے تھے۔

"میں وارث کو پسند کرنے لگی ہوں بابا! لیکن یہ بات آپ کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔ خود وارث کو بھی نہیں۔ میں آپ کا سر نہیں جھکانا چاہتی تھی۔" وہ سر جھکائے ان کے قدموں میں بیٹھی کہہ رہی تھیں اور باہر کھڑے خضر کی سانس یکدم رکی تھی۔ کیا اس نے ان کے

علاوہ کسی اور کا نام لیا تھا؟ان کا دم گھٹنے لگا۔انہیں سانس لینے میں دقت ہوئی تھی۔وہ اب اپنے بابا کے قدموں میں بیٹھی انہیں وارث کے متعلق بتا رہی تھیں۔

وہ جان ہی نہ پائے کہ کب ان کے آنگن کی تتلی اجنبی باغ میں داخل ہو گئی۔اور وہ باغ ان کی تتلی کو بھا گیا تھا۔

"میں ہر فیصلے کا حق آپ کو دیتی ہوں بابا۔میرے نزدیک دل سے زیادہ اہم آپ کا بخشا گیا مان ہے۔"وہ اب سر اٹھا کر اپنے بابا کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

اکبر صاحب کا ہاتھ اٹھا اور ان کے دوپٹے سے ڈھکے سر پر آ ٹھہرا۔

"تم میری بہت اچھی بیٹی ہو۔تم نے کبھی میرا مان نہیں توڑا۔تم نے ہمیشہ میری تربیت کو میری نگاہوں میں مزید معتبر کیا ہے۔میں تم سے راضی ہوں میری بچی۔اللہ پاک تمہارے بہترین نصیب کرے آمین۔"باپ نے بیٹی کی خوشی کے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔منزہ آنسو بہاتے بہاتے مسکرائیں۔کمرے کے اندر اب وہ اٹھ کر ان کے سینے سے لگی تھیں اور کمرے کے باہر خضر مراد فق چہرے اور رک رک کر چلتے دل کے ساتھ زمین پر

بیٹھتے چلے گئے تھے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھا تو ادراک ہوا کہ ان کے گال پر آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہے تھے۔ ساکت وجود اور چھلکتی آنکھوں کے ساتھ کوئی بھی ان کو دیکھتا کو سمجھ جاتا کہ ان پر کیا قیامت ٹوٹی تھی۔ اماں ابا کی وفات کے بعد وہ آج رو رہے تھے۔ اس دن جب ان سے ان کی منزہ الگ ہوئی تھی۔ وہ الگ ہی تو ہو گئی تھی۔ تو کیا یہ خضر مراد کی یک طرفہ محبت کا انجام تھا؟ کیا واقعی؟

پھر جب ماموں نے ان سے منزہ اور وارث کے رشتے کے متعلق ان سے بات کی تو منزہ کا بھیگی آنکھوں والا مسکراتا چہرا ان کی آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔ وہ کتنی سرشاری سے مسکرائی تھی۔ جیسے ساری جہان کی دولت کا سراغ لگا لیا ہو۔ زمانہ فتح کر لیا ہو۔

اس نے محبت کو حاصل کر لیا تھا، کیا دنیا فتح کرنا اس کے برعکس تھا؟

انہوں نے آنسوؤں کے گولے کو حلق میں اتارتے ہوئے ماموں کو وارث کے حق میں جواب دیا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑی منزہ ان کے جواب پر کھل کر مسکرائی تھی۔ اس رشتے پر اپنے بہترین دوست کا اپروول ان کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

منزہ اکبر کو وارث حبیب یونیورسٹی میں ملا تھا۔ وہ ایک شریف خاندان کی شرم و حیا والی بیٹی تھیں۔ یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہوئے ان کے بابا نے اس کو بہت سی نصیحتوں سے نوازا تھا جن کو انہوں نے اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیا تھا۔ لیکن وارث حبیب کو دیکھنے کے بعد جب دل بغاوت پر اتر آیا تو وہ اپنی پاکیزہ محبت کا مطالبہ لئے بابا کے سامنے پیش ہو گئی تھیں۔ اور بابا نے ان کا مطالبہ قبول کر لیا تھا۔ اس سب میں خضر مراد کہاں تھا؟ کہیں بھی نہیں۔ اور اس بات کا اندازہ خضر کو اس رات ہو چکا تھا۔

یوں ہی منزہ اکبر وارث حبیب کے سنگ رخصت ہوئی تھیں۔ اور خضر مراد کے دل کی زرخیز زمین اس دن ہمیشہ کیلئے بنجر ہو گئی تھی۔ اب اس پر کبھی محبت کا کنول نہیں کھلے گا۔

منزہ اکبر جب منزہ وارث بن کر دوبارہ اس گھر میں آتی تھیں تو خضر ان سے منہ موڑ لیتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھتے نہیں تھے۔ پہلے کی طرح دوستانہ رویہ اختیار کرنا تو دور وہ ان سے بات تک نہیں کرتے تھے۔ یہ نفرت یا بے زاری نہیں تھی۔ یہ ان کی حفاظتی دیوار تھی۔ یہ دیوار اگر وہ قائم نہ کرتے تو ایک دن خود بھر بھری دیوار کی مانند گر جاتے۔ وہ اس منزہ کو

کسی اور کے حوالے ہوتا دیکھ چکے تھے جس کو تمام عمر اپنے ساتھ رکھنے کا خواب انہوں نے دیکھا تھا۔ وہ اب اس کا سامنا نہیں کر پاتے تھے جس کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر دل میں ٹیس اٹھتی تھی۔

منزہ ان کا یہ رویہ نوٹ کر رہی تھیں لیکن اس کے پیچھے کی وجہ نہیں جان پا رہی تھیں۔ کچھ وہ اپنی شادی شدہ زندگی میں مصروف بھی ہو گئی تھیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خضر کا یہ رویہ ان کو دکھ دینے لگا تھا۔ وہ ان کے اس برتاؤ کی عادی نہ تھیں۔ وہ خضر سے بات کرنے کی کوشش کرتیں تو وہ کوئی نا کوئی بہانہ کرتے نکل جاتے۔ وہ ان کی پشت کو دیکھتی رہ جاتیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ان کے اس رویے کی عادی ہوتی گئیں۔ انہوں نے ان سے بات کرنے کی جدوجہد ترک کر دی۔ لیکن دوست کے دیے اس زخم کو بھول نہ پائیں۔

ماموں جان خضر کو شادی کر لینے پر زور دیتے تھے لیکن وہ "ابھی تیار نہیں ہوں" کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ مگر ان کی یہ فرار زیادہ دیر تک نہیں چل پائی تھی۔

منزہ کی شادی کے دو ماہ بعد ہی مامی جان کی وفات نے اس کو ایک نئے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اور ماموں جان اکیلے کسی عورت کے بغیر گھر میں رہ کر گزارا نہیں کر پا رہے تھے۔ اس لیے بالآخر اس نے مامون جان کی ضد کے آگے ہار مانتے ہوئے ان کے دیرینہ دوست آصف کی صاحبزادی باسمہ آصف سے نکاح کر لیا۔

باسمہ بہت نیک سیرت اور با اخلاق خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت نفاست اور اعلیٰ ظرفی سے گھر کو سنبھالا تھا۔ ان کا گھر باسمہ کے آجانے سے مکمل ہو گیا تھا۔ لیکن ایک آزمائش تمام عمر واسطے باسمہ کے لئے منتظر تھی۔ شادی کے ایک مہینے بعد ہی باسمہ کو علم ہو گیا تھا کہ خضر مراد کا دل کسی اور کا ہو چکا تھا۔ وہ ان کی امانت کسی اور کو دے چکے تھے۔ لیکن اس بات کو لے کر انہوں نے کوئی واویلا نہیں کیا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے اپنی تقدیر کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ خضر کی بچپن سے لے کر جوانی تک ہوئی ہر بات سے واقف تھیں۔ اکبر صاحب فارغ وقت میں انہیں یہی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ منزہ سے دوستی، اس کے ساتھ گزارا خوبصورت وقت، یہ سب اس نے ماموں جان سے ہی سنا تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ ماموں جان

منزہ کو خضر کی بہترین دوست کہتے رہے اور باسمہ چپکے سے خضر کے دل کا راز پا گئیں۔ مگر کبھی انہیں یہ ادراک نہ ہونے دیا۔

بیوی ہونے کے ناطے وہ خضر کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کا خیال رکھتیں، ماموں جان کی خدمت کرتیں اور گھر داری میں مصروف رہتیں۔ انہیں اس سب کے علاوہ کسی اور چیز کو سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ وہ خود کو مصروف رکھنا پسند کرتی تھیں۔ خضر کا ان کے ساتھ ہمیشہ نرم رویہ رہا تھا۔ وہ ان کا خیال رکھتے تھے، شوہر کی حیثیت سے اپنی ہر ذمہ داری پوری کرتے تھے لیکن۔۔ محبت تو نہیں نا کرتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں جب بھی باسمہ سے ملتی تھی، مجھے یہ احساس کبھی نہیں ہوا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ بلکہ میں جب بھی ابا سے ملنے گھر آتی تھی، وہ اٹھ کر سب سے پہلے میرے گلے لگتی تھی اور کتنی ہی دیر تک لگی رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتی کہ منزہ! تم بہت خوش نصیب ہو۔ میں کبھی اس کی یہ بات سمجھ نہیں پائی لیکن جب مجھے سمجھ آئی کہ وہ ایسا کیوں کہتی تھی، تب تک

وہ جا چکی تھی۔"منزہ بیگم ماضی کی ان یادوں میں کھوئی ہوئیں کہہ رہی تھیں جو ان کی زندگی کا کل سرمایہ تھیں۔

شادی کے دو سال بعد خضر کو اللہ نے ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ خوبصورت نین نقش والا بیٹا۔

ادین خضر مراد۔

لیکن جب ادین خضر مراد نے دنیا میں آنکھ کھولی تھی تو دوسری جانب اس کی ماں نے آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لی تھیں۔ وہ معصوم دنیا میں آتے ہی ماں کی مامتا سے محروم ہو گیا تھا۔ خون کی کمی کی وجہ سے باسمہ زندگی کی بازی ہار گئی تھیں۔ مرنے سے پہلے باسمہ خضر نے خاموشی سے خضر مراد کو ان کا بیٹا سونپا اور بولیں۔

"منزہ سے دوبارہ دوستی کر لیں۔ اس کو اس کا بہترین دوست لوٹا دیں۔" وہ خضر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہی تھیں جنہوں نے نم آنکھوں سے ادین کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ اس دن خضر مراد کو علم ہوا تھا کہ ان کی بیوی بھی اس راز سے واقف تھی جس کو انہوں نے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھا تھا۔ اور پھر ایسے ہی خاموشی سے، دل میں ہر راز چھپائے وہ

ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند گئیں۔ خضر کی آنکھ سے ایک آنسو خاموشی سے گال پر بہہ گیا۔ اس جدائی پر شاید اب وہ تاعمر غمزدہ رہنے والے تھے۔

"جب ادین پیدا ہوا تھا تو میں اس کے ساتھ ہی تھی۔ اس نے آہستہ سے آواز دیتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا منزہ! کیا میں تمہیں ایک راز کی بات بتاوں؟ پھر اس نے اپنا چہرہ میرے کان کے قریب کیا اور سرگوشی میں بولی "ان کا دل ازل سے تمہارا ہے۔"

"میں تب اس کی حالت کے پیش نظر پریشانی میں اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی لیکن چند سالوں بعد اللہ نے مجھے اس کا مطلب خود سمجھا دیا تھا۔" منزہ نے رائنہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

وارث حبیب ایک بہت خوبصورت خواب تھا جو منزہ اکبر نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن خواب تو ٹوٹنے کے لئے ہوتے ہیں نا؟

وارث حبیب جب منزہ اکبر کو بیاہ کر اپنے گھر لایا تو اس نے منزہ کو شہزادیوں کی طرح رکھا۔ وارث حبیب اپنے والدین اور بھائی بھابھی کے ساتھ ایک گھر میں رہتا تھا۔ یہ رشتہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی مرضی سے ہی ہوا تھا لیکن وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک آزاد انسان بن کر رہنا چاہتا تھا اور اس کے نزدیک شادی نے اس کو قید کر دیا تھا۔ کم از کم وہ یہی سمجھتا تھا۔ منزہ ایک نہایت خوبصورت چہرے کی مالک تھیں اور اس چہرے نے ہی وارث کو ان کی طرف متوجہ کیا تھا۔ منزہ اکبر سے شادی کر لینا محض ان کی خوبصورتی کی بدولت تھا۔ اور کچھ نہیں۔

وارث کی ماں کو اپنے چھوٹے بیٹے سے بہت پیار تھا۔ اور اس کے بعد انہیں اپنے چھوٹے بیٹے کی اولاد دیکھنے کی خواہش بہت عزیز تھی۔ لیکن یہ خوشی دیکھنا ان کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ شادی کے پانچ سال میں منزہ کے تین مس کیرج ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے وارث کی ماں مایوس ہوتے ہوئے اب ان کو کوسنے لگی تھی۔ منزہ اکبر جو اپنے گھر میں ایک اونچی آواز سننے کی عادی نہ تھیں، اب صبح شام طعنے سننا ان کا معمول تھا۔ وہ اکثر انہیں وارث کی دوسری شادی کروانے کی دھمکی بھی دے چکی تھیں لیکن وہ خاموش رہتیں۔ آگے سے کچھ نہ بولتیں لیکن دل تو دکھتا تھا نا؟

اور جب وہ اس بارے میں وارث سے بات کرتیں تو وہ اس وہ اس کو آگے سے بس یہی کہتا تھا۔

"میں اپنی اماں کی بات سے متفق ہوں۔ شاید اب مجھے اولاد کی خواہش چھوڑ دینی چاہیئے۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ جاتیں۔ اماں سہی کہتی تھیں، خوبصورت چہرے خوبصورت دل لے کر بھی پیدا ہوں، ایسا ہر بار نہیں ہوتا۔ وہ وارث کے خوبصورت چہرے کے پیچھے چھپے تنگ دل کو نظر انداز کر گئی تھیں۔

انہوں نے اپنے گھر آنا جانا بھی کم کر دیا تھا، کیونکہ وارث کی اماں کو اب ان کی ہر بات پر اعتراض ہونے لگا تھا۔ وہ ان کو اپنے مائکے آنے جانے سے روکنے لگی تھیں۔ وارث کے ساتھ باہر گھومنے نکلتیں تو ان کو ناگوار گزرتا۔ زیادہ دیر کمرے میں بیٹھی رہتیں تو ان کی طعنہ زنی شروع ہو جاتی۔

ان کے لئے بہو بغیر اولاد کے اب ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ وارث کا رویہ بھی ان کے ساتھ مکمل طور پر بدل گیا تھا۔ وہ اب ان کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ سیدھے منہ بات

نہیں کرتا تھا۔ گھر آتا تو زیادہ تر اماں کے ساتھ بیٹھا گفتگو کرتا رہتا۔ اس کے پاس ان کے لئے وقت نہیں رہا تھا۔ وہ جیسے ان سے اکتا سا گیا تھا۔

لیکن پھر اللہ نے منزہ کی آزمائش میں آسانی کر دی تھی۔ بہت دعاؤں اور منتوں کے بعد اللہ نے ان کو ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ شادی کے دس سال بعد ان کی گود میں رائنا وارث آئی تھی۔ گھنگھریالے بالوں اور گلابی رنگت والی رائنا، وارث حبیب کی پہلی اولاد تھی۔ لیکن وہ اس کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی اس کے نصیب میں نہیں تھی۔ آخر کیوں؟

رائنا کی پیدائش کے ایک ماہ بعد جب ایک دن وہ اپنے بابا کے گھر سے واپس آئی تھیں۔ خضر ماموں جان کے کہنے پر خود ان کو چھوڑنے آئے تھے۔ انہوں نے ان کو اندر آنے کی دعوت بھی دی لیکن وہ پھر آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ اس دن گھر میں چہل پہل معمول سے زیادہ تھی۔ انہوں نے لاؤنج میں آ کر دیکھا تو ان کے کمرے سے سامان نکالا جا رہا تھا۔ ملازم ایک ایک کر کے بیڈ، پھر سنگھار میز کمرے سے نکالتے جا رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ایک ملازم سے اس شفٹنگ کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آج وارث صاحب کا نکاح ہے اور ان کی بیوی گھر آ رہی ہیں۔ اس لیے نئی دلہن کا کمرہ تیار کرایا جا رہا ہے۔ نیا فرنیچر لگایا جا رہا ہے۔" اپنی بات کہنے کے بعد وہ منزہ کے فق چہرے کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

نئی دلہن؟ منزہ نے رکتے سانس کے ساتھ لاؤنج میں نظر دوڑائی۔ اماں کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے ان کے کمرے میں آئیں۔ کمرے میں اماں کے ساتھ وارث بھی تھا۔ منزہ نے چھلکتی آنکھوں اور تیز تنفس کے ساتھ ان کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے تیر رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور پھر وارث حبیب نے اپنے منہ سے اپنی بے وفائی کا اعتراف کیا تھا۔ وہ دو سال پہلے اپنی ماں کے کہنے پر اپنی خالہ زاد سے نکاح کر چکا تھا اور آج اس کو اپنے گھر لا رہا تھا۔ اس کے کمرے سے ان کا سامان نکال کر نئی دلہن کے سامان کو لایا جا رہا تھا جو جلد ہی آنے والی تھی۔

انہوں نے اپنے کندھے پر سر رکھے سوئی ہوئی رائنا کو زور سے سینے سے لگایا اور چھلکتی آنکھوں سے وارث حبیب کو دیکھا تھا۔

"میری بیٹی اتنی بد قسمت ہوگی میں نے سوچا نہیں تھا۔ آج اس کے باپ نے اس کو خود اپنے سائے سے دور کر دیا۔" انہوں نے آنسوؤں کے گولے کو حلق سے اتارا اور واپس مڑیں تو اپنے پیچھے کھڑے شخص سے ٹکرا گئیں۔

خضر مراد ان کے پیچھے کھڑے تھے جن کے ہاتھ میں بیبی بیگ تھا۔ وہ شاید بیبی بیگ گاڑی میں ہی بھول گئیں تھیں جس کو وہ واپس کرنے آئے تھے۔ انہوں نے پہلے منزہ کے پیچھے کھڑے وارث کو دیکھا اور پھر منزہ کو۔ ان کے کندھے پر سر رکھے سوئی رائنا کو ان سے لیا اور ان کا ہاتھ پکڑا۔ منزہ نے نم آنکھیں اٹھا کر اپنے دوست کو دیکھا۔

"آج سے آٹھ سال پہلے میری بیوی نے مرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ خضر! منزہ کو اس کا بہترین دوست لوٹا دیں۔ آج آپ دونوں کے سامنے اس کا ہاتھ تھام کر میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ خضر مراد نے منزہ اکبر کو اس کا دوست واپس کر دیا۔" انہوں نے ٹھہرے ہوئے

لہجے میں منزہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو منزہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ جس دن ان کو ان کی زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ ملا تھا اسی دن ان کے آٹھ سالا پرانے زخم کو مرحم ملا تھا۔ وہ اللہ سے شکوہ کرتیں یا اس کی شکر گزار ہوتیں؟

ترے نقوشِ دِل وجاں سے کس طرح مٹتے

تو پہلا عشق تھا ، تجھے یادگار ہونا تھا!

(ارسلان عباس)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جاری ہے۔

اگلی قسط آئندہ ماہ(انشااللہ)

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

Clubb of Quality Content

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842